U16376. P-23-1209

itle - KULLIYAAT-E-NAZM-E-HALI (Part-1)

eator - Khwaja Altaf Hussain Hali; Murattiba Sheikh Mohd. Ismaeel.

ublisher - Hali Book Dipo (Panipat).

Date - 1924

Pages -

Subjects - Urdu Shayari - Kulliyaat-o-Dawaween.

اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ لَحِکْمَۃً وَّاِنَّ مِنَ الْبَیَانِ لَسِحْراً

کُلّیاتِ نظمِ حالیؔ

یعنی

شمس العلما مولانا خواجہ الطاف حسین حالی مرحوم پانی پتی

کے

تمام منظوم کلام کا مکمل مجموعہ

جلد اوّل

مشتمل بر قطعات۔ غزلیات و رباعیات

مُرتّبہ

شیخ محمد اسمٰعیل سکرٹری اورنٹل پبلک لائبریری پانی پت

شائع کردہ

حالی بک ڈپو پانی پت

قسم اوّل دو روپے بارہ آنے — قیمت قسم دوم ایک روپیہ بارہ آنے

فہرست مضامین کلیات نظم حالی جلد اول

۱۔ تعداد قطعات ۸۲

۲۔ تعداد غزلیات ۱۲۲

۳۔ تعداد رباعیات ۱۴۸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

کلیاتِ نظمِ حالی

اُردو شاعری کے مجدد اور حکیمانہ نظم کے موجد "سعدیِ ہند" شمس العلما مولانا خواجہ الطاف حسین حالی پانی پتی کا نام نامی ہندوستان پبلک میں اب کسی تعارف کا محتاج نہیں رہا۔ ہر کہ دمہ آپ سے واقف اور ہر چھوٹا بڑا آپ کی پُر سوز نظموں کا دلدادہ ہے۔ مولانا نے جو کیف انگیز روح ہماری شاعری کے مردہ اور بیجان جسم میں ڈالی ہے اور اُردو نظم کو جسمیں فحش شعروں۔ ناپاک واسوختوں۔ خرافات مثنویوں۔ گندگی سے بھری ہوئی غزلوں۔ ہجر و وصال کے جھگڑوں۔ آسمانوں کی شکایتوں۔ رقیب کی برائیوں۔ گل و بلبل کے تذکروں۔ کنگھی چوٹی کی داستانوں۔ عاشق کی وفاؤں۔ معشوق کی کج ادائیوں۔ انتظار کی راتوں۔ فراق کی بیقراریوں۔ واعظوں اور ناصحوں پر صلواتوں اور پھبتیوں کے سوا بالعموم کچھ نہ تھا اور وہ نجس اور پلید شاعری جس کا دفتر بے پایاں مولانا کے اس مصرع کا مصداق ہو رہا تھا کہ "عفونت سے سنڈاس سے جو ہے بدتر" اُسے اِس ادنیٰ اور ذلیل حالت سے مولانا نے جس معراج ترقی پر پہنچایا اور جیسے خوشنما نقش و نگار اور دلفریب پھول بوٹے اسمیں بنائے ہیں اور اُسے جسقدر اخلاقی۔ ناصحانہ۔ ادبی اور فلسفیانہ سانچہ میں ڈھالا ہے وہ باخبر اصحاب سے مخفی نہیں۔ آپ ہی کی ان تھک کوششوں اور زبردست مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہے کہ آج ہم اردو نظم کو اِس حالت میں دیکھ رہے ہیں کہ بفضلِ خدا اس میں ہر قسم کا پاکیزہ لٹریچر مہیا ہے۔ جسمیں

روز بروز اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ الٰہیات کے مسایل اسمیں طے کیے جاتے ہیں۔ کتب مقدسہ الہامیہ کے تراجم اس میں کیے جاتے ہیں۔ حدیثوں کا مطلب اس میں بیان کیا جاتا ہے۔ بزرگانِ دین کے ملفوظات اس میں لکھے جاتے ہیں۔ اخلاقی مضامین اس میں پائے جاتے ہیں۔ اصلاحی امور اس میں بتائے جاتے ہیں۔ تاریخی واقعات اس میں تحریر کیے جاتے ہیں۔ ادبی جواہر ریزے اسمیں چمکتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ سائنٹفک اور علمی مسئلے اس میں قلمبند کیے جاتے ہیں۔ غرض ہر قسم کی مفید دلچسپ اور کار آمد معلومات کو نظم کا لباس پہنایا جا رہا ہے یہ سب کچھ تو ہے مگر تحت الثریٰ میں گری ہوئی اور بلا مبالغہ نجاست کے سمندر میں ڈوبی ہوئی ہماری شاعری کو پاک و مطہر بنا کر اعلیٰ درجہ کی بلندی تک پہنچانے کا سہرا کس کے سر ہے؟ اگر آپ ادیبوں کی ایک محفل میں یہ سوال کریں تو در و دیوار تک سے یہی صدا آئیگی کہ "حالی کے" "حالی کے"۔

اخلاقی اور ناصحانہ نظم کا جسقدر بیش بہا ذخیرہ حالی نے یادگار چھوڑا ہے (اور جس سے قبل اپنی ہماری نظم گویا بالکل تہی دست تھی) وہ ہمارے اس دعوے کی ایک زبردست اور روشن دلیل ہے۔ نصیحت کی باتیں عموماً کڑوی۔ کسیلی اور ناگوار طبع ہوا کرتی ہیں۔ دیکھ لو اس قسم کی کتابوں کو کتب فروشوں کی الماریوں میں کیڑے کھا رہے ہیں اور کوئی اُنہیں دھیلے کو نہیں پوچھتا۔ الا ماشاء اللہ۔ مگر حالی نے انہیں کڑوی باتوں کو ایسے مفرح اور لذیذ شہد میں تبدیل کر دیا کہ لوگ انگلیاں چاٹتے رہ گئے اور یہی وجہ تھی کہ حالی کی نظم شہرت کے پر لگا کر اڑی اور دیکھتے دیکھتے سارے ہندوستان میں پھیل گئی۔ کوئی بچہ نہ رہا جس کی زبان پر حالی کے اشعار نہ ہوں۔ کوئی جوان نہ رہا جس نے مزے لے لے کر حالی کی نظمیں نہ پڑھی ہوں۔ کوئی بوڑھا نہ رہا جس نے حالی کا کلام نہ سنا ہو۔ طبلے سارنگی تک پر وہ گایا گیا۔ حال و قال کی محفلوں میں وہ پڑھا گیا۔ مسجد کے ممبروں پر وہ سنایا گیا۔ قومی جلسوں کی وہ زینت رہا۔ سیاسی اجتماعوں میں اسکا ذکر آتا رہا۔ مذہبی تصانیف میں وہ نقل کیا گیا۔ طلبا کے کورس میں وہ داخل کیا گیا۔ غرض ملک کے طول اور عرض میں جس ذوق و شوق اور دلچسپی کے ساتھ اسکا خیر مقدم کیا گیا اور جتنی بے انتہا شہرت اُسے حاصل ہوئی وہ اپنی نظیر آپ ہے۔ اخلاق۔ اصلاح معاشرت اور پند و موعظت کے جو مہکتے ہوئے پھول اس ہمدرد قوم ناصح کے منھ سے جھڑے وہ دنیا کے

شاعری میں اپنی مست و بیخود کر دینے والی مہک سے فضائے عالم کو ہمیشہ معطر کرتے رہیں گے ایک دنیا اُن سے فیضیاب اور ایک عالم اُن سے مستفید ہوگا۔

حالی کے کلام کی شہرت صرف وطن ہی تک محدود نہیں رہی بلکہ نہایت جلد مولانا کی زندگی ہی میں ہندوستان سے نکل کر سمندروں کو طے کرتی ہوئی فرانس اور انگلستان تک پہنچ چکی تھی اور ادھر پہاڑوں کو عبور کر کے افغانستان اور اس سے گذر کر ایران تک کے پڑھے لکھے اشخاص حالی کے نام سے روشناس ہو چکے تھے۔ خود اُن کے اپنے وطن میں متعدد زبانوں میں انکی لاثانی اور اثر انگیز نظموں کے تراجم نہایت اہتمام اور نفاست کیساتھ شایع ہو چکے ہیں انکے تمام مطبوعہ کلام پر تفصیلی ریویو اور تبصرہ کرنے کی تو خود اس زبان میں جس میں وہ کلام موجود ہے ابتک کسی کو توفیق نہیں ملی لیکن ہندی میں یہ کام اب سے بہت پہلے ہو چکا ہے۔ اُن کی مشہور و معروف نظم "بیوہ کی مناجات" نہ معلوم کس دردِ دل کے ساتھہ اور کیسی نیک ساعت میں لکھی گئی تھی کہ اب تک دس سے زیادہ زبانوں میں اس کے ترجمے ہو چکے ہیں اور ان کا سلسلہ ابھی تک بند نہیں ہوا۔ خود اردو میں اُن کے کلام کی مقبولیت اس درجہ بڑھی کہ غالباً کوئی کتب فروش نہیں جس نے حالی کی نظمیں فروخت کی ہوں اور کوئی مطبع نہیں جس نے حالی کا کچھ نہ کچھ کلام نہ چھاپا ہو۔ ایک ایک نظم اور ایک ایک کتاب کے بیسیوں اڈیشن شایع ہوئے اور ہاتھوں ہاتھ نکل گئے اُن کی مسدس جتنی مرتبہ ملک کے مختلف مطابع سے چھپ کر شایع ہوئی وہ اس اثر اور جوش میں ڈوبی ہوئی عدیم النظیر نظم کی حد سے بڑھی ہوئی مقبولیت کی کھلی ہوئی دلیل ہے۔ ایک سے ایک اعلیٰ اور ہر ایک وضع و طرح کے بہت سے نفیس اور خوبصورت اڈیشن مسدس کے شایع ہو چکے ہیں اور ایک ایک وضع کا اڈیشن دس دس اور پندرہ پندرہ مرتبہ شایع ہو کر دیکھتے دیکھتے ختم ہو چکا ہے۔ مطابع والوں نے اس کی بدولت سیکڑوں روپئے حاصل کئے اور کتب فروشوں نے اس سے ہزاروں کمائے۔ وہ حالانکہ ۱۸۷۹ء میں تصنیف کی گئی تھی اور اس کے بعد کی سیکڑوں تصانیف آج دنیا کو بالکل فراموش ہو چکی ہیں۔ لیکن مسدس کی اشاعت دلعزیزی اور مقبولیت میں ہرگز کوئی کمی نہیں آئی۔ آج بھی وہ ہر کتب فروش کی دوکان کی اسی طرح زینت ہے جیسے آج سے قبل گذشتہ چالیس برس کے زمانہ میں رہی ہے۔ بلکہ جوں جوں زمانہ گذرتا جائیگا یقین ہے کہ اس کی اشاعت اور قبولیت بڑھتی ہی جائیگی۔

مولانا نے ایام جوانی سے شعر کہنے شروع کیے اور آخر عمر تک کچھ نہ کچھ کہتے رہے وقتاً فوقتاً جو کچھ اور جسقدر اس سعدی ہند کے منہ سے نکلتا رہا وہ چھپ کر شائع ہوتا رہا۔ لیکن کلام کا یہ مجموعہ متفرق اور پراگندہ حالت میں تھا اور سب ایک جگہ اکٹھا دستیاب نہ ہوتا تھا۔ کوئی نظم کہیں ملتی تھی اور کوئی نظم کہیں۔ اس کمی کو سب سے پہلے خود مولانا نے محسوس کیا اور اسی وجہ سے آخری عمر میں مولانا کی بڑی خواہش یہی تھی کہ اپنی تمام کلیات نظم مرتب کر کے چھپوائیں جو ان تمام چھوٹی بڑی نظموں کا مکمل مجموعہ ہو جو شروع سے لیکر آخری وقت تک آپ کے قلم سے نکلیں اس خواہش کا تذکرہ مولانا نے ان متعدد خطوط میں بھی کیا ہے جو اس زمانہ میں آپ نے اپنے اعزہ و احباب کو لکھے ہیں اور جو اگرچہ مرتب ہو چکے ہیں لیکن ابھی تک ان کے چھپنے کی نوبت نہیں آئی۔

اس خواہش کی تکمیل مولانا نے باوجود ضعف و نقاہت۔ پیرانہ سالی اور مختلف عوارض و صدمات خانگی کے نہایت ہمت کے ساتھ اسطرح شروع کی کہ پہلے نہایت محنت اٹھا کر اپنا تمام پراگندہ فارسی اور عربی نظم و نثر کلام جمع کرنا شروع کیا اور شب و روز کی محنت شاقہ سے اس کو مکمل کر کے چھپنے کے لئے بھیجدیا۔ مولانا کے انتقال سے صرف پانچ مہینے پہلے اگست ۱۹۱۴ء میں یہ مجموعہ چھپ کر شائع ہو چکا تھا۔ درحقیقت یہ ایسا مشکل اور اہم کام تھا کہ اگر خود مولانا اپنے ہاتھ سے اس تکمیل نہ کر جاتے تو بعد میں اسکا شائع ہونا نہایت محال اور قریب ناممکن کے تھا۔

مولانا کا ارادہ تھا کہ یہ مجموعہ اپنی اردو کلیات نظم کے آخر میں بطور ضمیمہ کے ملحق کریں اور اسی لئے مولانا نے اس مجموعہ کا نام ضمیمہ کلیاتِ نظم اردو رکھا تھا۔ لیکن اس کی عام طور پر اشاعت نہیں ہوئی اور یہ ہنوز الماریوں میں بند پڑا ہے۔

ضمیمہ کے بعد اصل کتاب یعنی اردو کلیاتِ نظم کی تدوین کا نمبر تھا کہ اجل نے زیادہ مہلت نہ لینے دی اور افسوس کہ دسمبر ۱۹۱۴ء کی آخری رات نے مولانا کو ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا کر دیا اِنّا للہ وَاِنّا الیہِ رَاجِعُون ط۔

مولانا کے بعد کسی نے اس طرف توجہ نہ کی اور کام بیچ کا بیچ میں رہگیا۔ حالانکہ یہ ایک ایسا کام تھا کہ اب سے بہت پہلے اسکا تکمیل کو پہنچ جانا ضروری تھا اور اپنی کلیات نظم شائع کرنے کی

وہ خواہش جو مولانا کے دل ہی میں رہی انکی وفات کے بعد نہایت جلد پوری ہو جانی چاہیئے تھی۔ لیکن اگرچہ ملک میں اہل قلم حضرات اور لایق دماغوں کی کمی نہ تھی جو اُسے یقیناً زیادہ بہتر حالت میں اور باسانی مرتب کرسکتے تھے۔ مگر مولینا کے انتقال کو آج نو برس ہوچکے لیکن افسوس اس طویل مدت میں کسی بندۂ خدا کو اسکا خیال پیدا نہوا۔ اور ادہر کلام حالی کی قبولیت اور ہردلعزیزی کا یہ عالم تھا کہ مولانا کی نظمیں متفرق اور علیحدہ علیحدہ چھپکر بکثرت اور بشدت فروخت ہوتی تھیں اور وہ وقت بھی آگیا تھا کہ حالی کا بہت سا کلام دریاب۔

انہیں ایام میں میں نے مولانا کا تمام غیر مطبوعہ اور اخبارات کے فائلوں میں منتشر شدہ کلام نہایت تلاش سے جمع کرکے گذشتہ سال جواہرات حالی کے نام سے شایع کیا۔ اسکی ترتیب سے فراغت کے بعد میں مولانا کی کلیات نظم مرتب کرنے کی طرف متوجہ ہوا تاکہ مولانا کی وہ آرزو پوری ہو جائے جس کی تکمیل کی خواہش افسوس ہے کہ مولانا اپنے ساتھ لے گئے۔

اس کی ترتیب میں زیادہ وقت صرف نہیں ہوا اور الحمد للہ کہ میں نہایت قلیل مدت میں اس کی تکمیل سے فارغ ہوگیا۔ ثمرات سعی جناب کے سامنے ہیں۔ اس کتاب سے اردو لٹریچر کی ایک مہتم بالشان کمی پوری ہونے کے علاوہ شایقین کو حالی کی نظموں کی علیحدہ علیحدہ تلاش کی زحمت سے بھی نجات مل جائے گی۔ نیز نظموں کے متفرق اور علیحدہ علیحدہ فروخت ہونے کی وجہ سے کچھ زمانہ گذرنے کے بعد جو بعض نظموں کے کمیاب یا ضایع ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ تمام کے ایک مجموعہ میں مرتب ہو جانے سے وہ بھی رفع ہو جائے گا یہ بالکل واقعہ ہے کہ اگر ایسی سخت ضرورت کے وقت بھی اس کی طرف سے غفلت اور لاپرواہی برتی جاتی تو کچھ عرصہ اور گذر جانے پر اس کی ترتیب محال نہیں تو کم از کم دشوار ضرور ہو جاتی۔

نظموں کے جمع اور فراہم کرنے میں میں نے تلاش کا کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا۔ اور اپنی طرف سے اس امر کی پوری کوشش کی ہے کہ یہ کتاب مولانا کی تمام اور کل نظموں کا جامع اور مکمل مجموعہ ہو۔ اگر شاید کوئی نظم چھوٹ گئی ہو اور کسی صاحب کے پاس ہو تو اُسے میرے پاس بھیجدیں مع شکریہ کے دوسرے اڈیشن میں شامل کردی جائیگی۔

نظموں کی ترتیب میں نے صنف وار رکھی ہے یعنی تمام اقسام کی نظمیں علیحدہ علیحدہ مرتب کی ہیں۔ مثلاً تمام قطعات ایک جگہ جمع کردیئے ہیں۔ تمام غزلیں ایک جگہ ہیں۔ تمام رباعیات علیحدہ ہیں۔ وقس علیٰ ہذا۔ تمام کلیات کی چار جلدیں ہیں۔ ہر ایک جلد متعدد حصص پر منقسم ہے اور ایک حصہ میں تمام ایک ہی قسم کی نظمیں ہیں۔ تدوین کتاب کے وقت یہی ترتیب کچھ پہلی

معلوم ہوئی ورنہ ترتیب کی بحثیں اور غلطیاں ہی ذہن میں ہیں۔

کلیات کا مسودہ میں نے انتہائی احتیاط کے ساتھ مرتب کیا ہے۔ ایک ایک شعر کا متعدد نسخوں سے مقابلہ کر لیا ہے تب لکھا ہے۔ کتاب کی کاپیاں مطبع سے آئیں تو ایک چھوڑ تین تین مرتبہ اُن کا بغور مطالعہ کر کے غلطیوں کو درست کیا۔ غرض حتی الامکان غلطی کا امکان نہیں رہنے دیا۔ اتنے "کثیرو دہم" کے بعد بھی اگر پیشِ نظر صفحات میں کوئی ایک آدھ غلطی رہ گئی ہو تو ناظرین سمجھ لیں کہ مزید احتیاط میرے اختیار سے باہر تھی۔

دیباچہ ختم ہو گیا۔ اب اصل کتاب شروع کرتا ہوں۔ خدا حسنِ قبول روزی کرے اور اس کو مسدس کی سی بلکہ اس سے بھی دہ چند قبولیت نصیب ہو۔ از جملہ جہاں آمین باد۔

خاکسار

محمد اسمٰعیل از پانی پت

جنوری ۱۹۲۴ء

نحمدہٗ و نصلی علیٰ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم رسولہ الکریم

حصّہ اوّل

قطعات

چھوٹوں کا بڑا بن جانا

چند خطوط اک دانا نے — کھینچ کے یاروں سے یہ کہا
"دیکھ لو ان میں جتنے ہیں خط — کوئی ہے چھوٹا کوئی بڑا
ہے کوئی؟ جو بے ہاتھ لگائے — دے یونہیں چھوٹے خط کو بڑھا"
ایک نے جتنے خط تھے بڑے — اٹھ کے دیا ایک اک کو مٹا
جب نہ رہا واں پیشِ نظر — خط کوئی چھوٹے خط کے سوا
دیکھا اٹھا کر آنکھ جدھر — تھا وہی چھوٹا وہی بڑا

کل کی ہی یارو بات کہ تھی — قوم میں باقی جان ذرا
قوم میں جیسا حال ہے اب — آدمیوں کا کال نہ تھا
تھے موجود ادیبوں میں — اخطل و اعشیٰ کے ہمتا

ہستیوں میں ایسے تھے بہت | جن پہ تھا نازاں بھی اِنشا
شعر میں تھے اُستاد اکثر | سحر بیان اور نکتہ سرا
لے گئی اُن کو آخر کار | بحرِ فنا کی فوج بہا
اہلِ ہنر کا نام و نشاں | قوم میں جب باقی نہ رہا
حالی و زید و عمر بنے | صاحبِ دیوان نامِ خدا
اب چاہو - اُستاد گنو | یا ہمیں سمجھو تم یکتا
ہم ہیں وہی ناچیز - مگر | کَبَّرَنَا مَوْتُ الْکُبَرَا [51]

شعر سے خطاب

اے شعر دلفریب نہو تُو - تو غم نہیں | پر تجھ پہ حیف ہے - جو نہو دل گداز تو
صنعت پہ ہو فریفتہ عالم اگر تمام | ہاں سادگی سے آئیو اپنی نہ باز تو
جوہر ہے راستی کا اگر تیری ذات میں | تحسینِ روزگار سے ہے بے نیاز تو
حُسن اپنا گر دکھا نہیں سکتا جہان کو | آپے کو دیکھ اور کر اپنے پہ ناز تو
تو نے کیا ہے بحرِ حقیقت کو موج خیز | دھوکے کا غرق کرکے رہیگا جہاز تو
وہ دن گئے کہ جھوٹ تھا ایمانِ شاعری | قبلہ ہو اب اُدھر تو نہ کیجو نماز تو
اہلِ نظر کی آنکھ میں رہنا ہے گر عزیز | جو بے بصر ہیں اُن سے نہ رکھ ساز باز تو
ناک اُوپری دوا سے تری گر چڑھائیں لوگ | معذور جان اُن کو جو ہے چارہ ساز تو
چُپ چاپ اپنی پیچ سے گئے جادلوں میں گھر | اونچا ابھی نہ کر علمِ امتیاز تو
جو نابلد ہیں اُن کو بتا چور بن کے راہ [52] | گر چاہتا ہے خضر کی عمرِ دراز تو

[51] یعنی بڑے آدمیوں کی موت نے ہمیں بڑا کر دیا ۱۲
[52] بلد واقفِ راہ اور نابلد ناواقفِ راہ ۱۲

عزت کا بھید ملک کی خدمت میں ہی چھپا ‏ محمود جان آپ کو گر ہے ایاز تو
اے شعر راہِ راست پہ تو جب کہ پڑ لیا ‏ اب راہ کے نہ دیکھ نشیب و فراز تو
کرنی ہی فتح گر نئی دُنیا تو نے نکل ‏ بیڑوں کا ساتھ چھوڑ کے اپنا جہاز تو
ہوتی ہی سچ کی قدر۔ پہ بیقدریوں کے بعد ‏ اسکے خلاف ہو تو سمجھ اسکو شاذ تو
جو قدرداں ہو اپنا اُسے مغتنم سمجھ ‏ حالی کو تجھ پہ ناز ہی گر اُس پہ ناز تو

مشاعرہ کی طرح پر غزل نہ لکھنے کا عذر

ہوئی ریعانِ جوانی کی بہار آخر حیف ‏ طبع رنگیں تھی مے عشق کی جب متوالی
اپنی رُوداد تھی۔ جو عشق کا کرتے تھے بیاں ‏ جو غزل لکھتے تھے۔ ہوتی تھی سراسر حالی
اب۔ کہ اُلفت ہی نہ چاہت نہ جوانی نہ اُمنگ ‏ سر ہی سودا سے تہی عشق سے دل ہی خالی
گر غزل لکھئے تو کیا لکھئے غزل میں آخر ‏ نہ رہی چیز وہ مضمون سو جھانے والی،
آپ بیتی نہ ہو جو۔ ہے وہ کہانی بے لطف ‏ گرچہ ہوں لفظ فصیح اور زباں ٹکسالی

ہاں مگر کیجئے کچھ عشق کا غیروں کے بیاں ‏ لائیے باغ سے اوروں کے لگا کر ڈالی
کھینچئے وصلِ صنم کی کبھی فرضی تصویر ‏ کیجئے دردِ جدائی کی کبھی نقالی
تاکہ بھڑکائے جوانوں کے دل آتش کی طرح ‏ وہ ہوا جس سے دماغ اپنا ہوا ہی خالی
پر یہ ڈر ہی کہیں اپنی بھی وہی ہو نہ مثل ‏ "قحبہ چوں پیر شود پیشہ کند دلالی"

نکتہ چینی

باپ نے بیٹے کو سمجھایا کہ علم و فضل ہیں ‏ جس طرح بن آئے بیٹا نام پیدا کیجئے
کیجئے تصنیف اور تالیف میں سعی بلیغ ‏ اسمیں ایک اپنا پسینا اور لہو کر دیجئے
دیجئے معنی کے نظم و نثر میں دریا بہا ‏ اور سخن کی داد ہر پیر و جواں سے لیجئے

اور نہ ہو کر شعر و انشا کی لیاقت پیش   شاعروں اور منشیوں پر نکتہ چینی کیجئے

بے تمیزی ابنائے زمان

ازرہِ فخر آبگینہ سے یہ ہیرے نے کہا   ہے وجود اے مبتذل تیرا برابر اور عدم
جنس تیری کس پرس اور قدر و قیمت تیری ہیچ   تیرے پانے کی خوشی کچھ اور نہ گم ہونیکا غم
دے کے دھوکا تو اگر الماس بنجائے تو کیا   امتحاں کے وقت کھلجاتا ہے سب تیرا بھرم

مسکرا کر آبگینہ نے یہ ہیرے سے کہا   گو کہ سب رتبہ ترا مجھ سے بڑا اے محترم
تجھ میں اور مجھ میں مگر کر سکتے ہیں جو امتیاز   ہیں مبصر ایسے اس بازار نا پرساں میں کم
تیرے جوہر گو نہیں موجود اپنی ذات میں   تجھ سے اے الماس لیکن کچھ بڑھتے ہیں ہم

ایک خود پسند امیر زادہ کی تضحیک

کہتے ہیں اک امیر زادہ کو   تھا خدنگ افگنی کا شوق کہیں
خصلتیں جو امیر زادوں میں   لازمی ہیں۔ وہ اس میں بھی سب تھیں
گو کہ رکھتا نہ تھا ہنر کوئی   اس پہ تھا خود پسند اور خود بیں
کچھ نہ تھا۔ پر سمجھتا تھا سب کچھ   علم تیر و کماں میں اپنے تئیں
واہ واہ سنتے سنتے یاروں کی   ہو گیا تھا ہنر کا اپنے یقیں

الغرض ایک روز صحرا میں   جب کہ تھے ساتھ سب جلیس قریں
مشق تیر افگنی میں تھا مصروف   کر رہے تھے خوشامدی تحسیں
آکے دیکھا جو اک ظریف نے حال   وجہ تحسین ہوئی نہ ذہن نشیں
تیر جتنے کماں سے چھوٹے   پائے سب بے اصول و بے آئیں
جا کے بھولے سے بھی نہ پڑتا تھا   تیر آماجگہ کے کوئی قریں

ایک جاتا تھا پھٹ کے سوتے شمال ایک جاتا تھا پھٹ کے سوئے یمین
کچھ جو شوخی ظریف کو سوجھی رکھ کے بالائے طاق سب تمکین
خاک تو دے پہ جا کے ہو بیٹھا لوگ کرتے رہے چنان و چنین
ناوک انداز بولا چلّا کر "کوئی تجھکو جنوں ہے اے مسکین
یا خفا ہو کے گھر سے آیا ہے یا کہ دو بھر ہے تجھ کو جانِ حزین"
عرض کی "چارہ کیا ہے اسکے سوا جبکہ جائے گریز ہو نہ کہیں
زد سے ان بے پناہ تیروں کی کہیں جان دار کو امان نہیں
مجھ کو ہر سمت کے مشش جہت میں حضور امن کی اک جگہ ملی ہے یہیں"

موجودہ پولیٹکل اسپیچیں

اے بزمِ سفیرانِ دول کے سخن آرا ہر خرد و کلاں تیری فصاحت پہ فدا ہے
یہ سچ ہے کہ جادو ہی بیاں ہیں ترے لیکن کچھ سحر بیانی کا ترے ڈھنگ نیا ہے
ظاہر ہی نہ غصہ میں بیاں سے تری رنجش نہ لطف میں کچھ طرزِ بیاں اس سے جدا ہے
ہے دل میں نہاں ایک شکایات کا طومار اور لب پہ جو دیکھو تو نہ شکوہ نہ گلا ہے
جو صلح کی باتیں ہیں وہ ہیں شہد سی شیریں اور جنگ میں کچھ لطفِ سخن اس سے سوا ہے
گر سوچئے تو سیکڑوں پہلو ہیں سخن کے اور سنئے تو زنجیروں سے ہر قول بندھا ہے
دل کی تری ہوتی نہیں معلوم کوئی بات گونگا نہیں۔ گویا نہیں۔ کیا جانیے کیا ہے
کھلتا نہیں کچھ اسکے سوا تیرے بیاں سے اک مرغ ہی خوش لہجہ کہ کچھ بول رہا ہے
تھے لب پئے اظہار پہ اب آ کے کھلا یہ انسان کو اخفا کے لئے نطق ملا ہے

بدی کر کے نیکنامی کی توقع رکھنی

نا منصف و بے رحم تھا اک ضلع کا حاکم
برتاؤ سے نالاں تھی بہت جسکی رعیت
جب دورہ کو اٹھتا تھا تو دیہات میں جا کر
تھا پوچھتا ایک ایک سے ازراہِ شرارت
وہ ہیں پرگنہ کے لوگ سمجھتے ہمیں کیسا؟
کرتے ہیں ہماری وہ ستائش کہ مذمت؟
تھی اس کی مثال ایسی کہ اک شخص بدآواز
جس کو کہ خود آواز سے تھی اپنی کراہت
گاتا تھا کھڑا ہو کے اور آواز کے پیچھے
ہر بار لپکتا تھا بصد تیزی و سرعت
ہو۔ تاکہ یہ معلوم کہ ہے دور سے میری
آواز خوش آیند و یا قابلِ نفرت

تفاخر سے نفرت کرنے پر تفاخر

زاہد نے کہا "زینت و اسباب پہ جو لوگ
اتراتے ہیں۔ اک آنکھ مجھے وہ نہیں بھاتے"
حالی نے کہا جن کو ہے اترانے سے نفرت
اترا کے وہ اس طرح نہیں ناک چڑھاتے"

سید احمد خاں کی تکفیر

مختلف اقوال ہیں اسلام کی تعریف میں
بعض کے نزدیک توحید اسکی حدِ تام ہے

ہے مگر جمہور کے نزدیک یہ مردود قول — جو ہیں قائل اسکے اُن پر کفر کا الزام ہے
کیونکہ اس سے ماننا پڑتا ہے اُس رحمت کو عام — جس میں غیر از اہلِ قبلہ جو ہے وہ ناکام ہے

بعض کہتے ہیں کہ "شرعی تیری سب ایمن ہیں — بس مسلمانی و دینداری اسی کا نام ہے"
پر یہ حد بھی جامع و مانع نہیں عند العقول — کہتے ہیں "اسلام جو سمجھے اُسے وہ خام ہے
ایمنی کا مستحق ہے خاص کر اپنا گروہ — اور سب کا لفظ یار اغیار سب کو عام ہے

بعض کہتے ہیں "شعار اسلامیوں کا ہے لباس — جو لباسِ غیر پہنے خارج از اسلام ہے"

بعض بتلاتے ہیں کچھ اور بعض فرماتے ہیں کچھ — حصر کرنا اِن تمام آرا کو مشکل کام ہے

مذہبِ[1] منصور ہو لیکن بیان کرنا ضرور — جو مسلّم آج کل نزدیک خاص و عام ہے
اہلِ حل و عقد ہیں اب متفق اس رائے پر — "سید احمد خاں کو کافر جاننا اسلام ہے"

قرض لیکر حج کو جانے کی ضرورت

قریبِ موسمِ حج - قرض لے کے اک شیدا — چلا بہ نیتِ حج - گھر سے سوئے بیت اللہ
کہا یہ اُس سے اک آزاد نے کہ "ای حضرت — کیا ہے آپ پہ شارع نے جبر یا اکراہ؟
کہ قرض لے کے چلے ہیں حضور سوئے حجاز — وطن میں چھوڑ کے اطفال کو بحالِ تباہ
نہ نان و نفقۂ فرزند و زن سے خاطر جمع — نہ زاد و راحلہ کا ساز و برگ خاطر خواہ"

سُنا یہ - اور بہت تُرش ہو کے فرمایا — کہ "رد کیا ہے مسلماں کو حج سی ای گمراہ
وہ بادشاہ کہ جو دشمنوں کو دیتا ہے — نگین و خاتم و طبل و نشان و تخت و کلاہ
خبر نہ لیگا وہ کیا اپنے میہمانوں کی؟ — پہونچتے جو کہ ہیں طے کرکے بر و بحر کی راہ
جنہیں فراغت و تنگی میں ہے اسی سے اُمید — جنہیں سلامت و آفت میں ہے اسی کی پناہ"

---

[1] اقوالِ مختلفہ میں سے جو قول راجح ہو اُسکو "مذہبِ منصور" کہتے ہیں ۱۲ حالی

ودن سے بولا کہ ناخواندہ مہمانوں کو — امید لطف کی رکھنی ہے میزباں سے گناہ
ذلیل ہوتے ہیں جو بن بلائے جاتے ہیں — طفیلیوں کی نہیں عوتوں میں عزّت جاہ"

یہ سن کے شیخ نے دیکھا اِدھر اُدھر کہ کہیں — ہو مدعی نہ تجسس میں یاں کوئی ہمراہ
بلاکے پاس پھر آہستہ اُس سے فرمایا — اُبھی زمانہ کی چالوں سے تو نہیں آگاہ
قدم پہونچتے جہانتک ہیں پختہ کاروں کے — جوانِ خام کی وانتک نہیں پہونچتی نگاہ
خدا کے حکم ہیں مبنی تمام حکمت پہ — فتوح جنمیں ہے دنیا و دین کی خاطر خواہ
نماز و روزہ ہو یا ہو طواف و عمرہ و حج — حصول جیسے کہ ہوتا ہے اُن سے قربِ الٰہ
اِسی طرح یہ وسیلے معاش کے ہیں تمام — نہ جنمیں چاہیے محنت نہ کوششِ جانکاہ
مگر سلیقہ و تدبیر شرط ہے - ورنہ — ہزاروں پھرتے ہیں محتاج سادہ لوح تباہ
یہ کہنے سُننے کی باتیں نہیں ہیں برخوردار — وگرنہ علمِ معیشت وسیع ہے واللہ"

آزادی کی قدر

ایک ہندی نے کہا۔ حاصل ہے آزادی جنھیں
قدرداں اُن سے بہت بڑھکر ہیں آزادی کے ہم
ہم کہ غیروں کے سدا محکوم رہتے آئے ہیں
قدر آزادی کی جتنی ہم کو ہو اُتنی ہے کم
عافیت کی قدر ہوتی ہے مصیبت میں سوا
بینوا کو ہے زیادہ قدرِ دینار و درم
"تعرف الاشیاء بالاضداد"[1] ہے قولِ حکیم
دیگا قیدی سے زیادہ کون آزادی پہ دم

---

[1] یعنی ہر ایک چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے ۱۲

سن کے اک آزاد نے یہ لاف چپکے سے کہا
"ہے سقر۔ موری کے کیڑے کے لئے باغِ ارم"[۵۱]

انگلستان کی آزادی اور ہندوستان کی غلامی!

کہتے ہیں آزاد ہو جاتا ہے جب لیتا ہے سانس
یاں غلام آکر۔ کرامت ہے یہ انگلستان کی
اسکی سرحد میں غلاموں نے جو ہیں رکھا قدم
اور کٹکر پاؤں سے ایک اک کے بیڑی گر پڑی"

قلبِ ماہیت میں انگلستان ہے گر کیمیا — کم نہیں کچھ قلبِ ماہیت میں ہندوستان بھی
آن کر آزاد یاں۔ آزاد رہ سکتا نہیں — وہ رہے ہو کر غلام۔ اِسکی ہوا جنکو لگی

سیّد احمد خان کی مخالفت کی وجہ

سیداحمد خاں کے اک منکر سے یہ پوچھا کہ "آپ
کس لئے سیّد سے صاف اے حضرتِ والا نہیں؟
کافر و ملحد ہمیشہ اُسکو ٹھیراتے ہیں آپ
ثابت اسلام اُسکا۔ نزدیک آپ کے گویا نہیں
آپ بھی (نامِ خدا) ہیں تارکِ صوم و صلوٰۃ
اور سلوک اسلام سے خود آپکا اچھا نہیں
خود نبوت پر سُنے ہیں ہم نے ایراد آپ کے

۵۱ یعنی جسطرح موری کے کیڑے کو موری میں آرام ملتا ہے اور وہاں سے کہیں جانا نہیں چاہتا۔ اسی طرح جو قومیں ہمیشہ محکوم رہتی چلی آئی ہیں وہ غلامی ہی میں خوش رہتی ہیں ۱۲۔

اور الوہیت سے بھی دل جمع حضرت کا نہیں

چشم بددور آپ کا بھی جب کہ ہے مشرب وسیع

پھر یہ سیّد پر تبرّا آپ کو زیبا نہیں"

سُن کے فرمایا "اگر ہو پوچھتے انصاف سے بات یہ ہے ۔ سُن لو صاحب تم سے کچھ پردہ نہیں

رنج کچھ اسکا نہیں مجکو کہ وہ ایسا ہے کیوں؟ بلکہ ساری کوفت ہے اسکی کہ میں ویسا نہیں"

قحط اہل اللہ

کل خانقاہ میں تھی حالت عجیب طاری جو تھا سو چشم پُرنم ۔ اپنا تھا یا پرایا

"دنیا سے اٹھ گئے سب جو تھے مرید صادق" یہ کہہ کے شیخ کا دل بیساختہ بھر آیا

ہمنے کہا "مریدی باقی رہی نہ پیری" یہ کہہ کے ہم بھی روئے اور اسکو بھی رُلایا

نوکروں پر سخت گیری کرنے کا انجام

ایک آقا تھا ہمیشہ نوکروں پر سخت گیر

درگذر تھی اور نہ ساتھ اُنکے رعایت تھی کہیں

بے سزا کوئی خطا ہوتی نہ تھی اُن کی معاف

کام سے مہلت کبھی ملتی نہ تھی اُن کے تئیں

حسنِ خدمت پر اضافہ یا صلہ تو درکنار

ذکر کیا نکلے جو چھوٹے منھ سے اُسکے آفریں

پاتے تھے آقا کو وہ ہوتے تھے جب اس سے دوچار

نتھنے پھولے ۔ منھ چڑھا ۔ ماتھے پہ بل ۔ ابرو پہ چیں

تھی نہ جز تنخواہ نوکر کے لئے کوئی فتوح

آکے ہو جاتے تھے خائن جو کہ ہوتے تھے امین

رہتا تھا اک شرائط نامہ ہر نوکر کے پاس

فرض جسمیں نوکر اور آقا کے ہوتے تھے تعین

گر رعایت کا کبھی ہوتا تھا کوئی خواستگار

زہر کے پیتا تھا گھونٹ آخر بجائے انگبین

حکم ہوتا تھا "شرائط نامہ دکھلاؤ ہمیں

تاکہ یہ درخواست دیکھیں واجبی ہے یا نہیں"

واں سوا تنخواہ کے۔ تھا جس کا آقا ذمہ دار

تھیں کریں جتنی وہ ساری نوکروں کے ذمہ تھیں

دیکھ کر کاغذ کو ہو جاتے تھے نوکر لاجواب

تھے مگر وہ سب کے سب آقا کے مارِ آستین

ایک دن آقا تھا اک مُنہ زور گھوڑے پر سوار

تھک گئے جب زور کرتے کرتے دستِ نازنین

دفعتہً قابو سے باہر ہو کے بھاگا راہوار

اور گرا سوار صدر زین سے بالائے زمین

کی بہت کوشش نہ چھُوٹی پاؤں سے لیکن رکاب

کی نظر سائیس کی جانب۔ کہ ہو آکر معین

تھا مگر سائیس ایسا سنگدل اور بے وفا

دیکھتا تھا اور ٹس سے مس نہ ہوتا تھا لعین

دُور ہی سے تھا اُسے کاغذ دکھا کر کہہ رہا

"دیکھ لو سرکار اسمیں شرط یہ لکھی نہیں"

نیشن کی تعریف

یہ ہے مانی ہوئی جمہور کی رائے — اسی پر ہے جہاں کا اتفاق اب
کہ نیشن وہ جماعت ہے کم از کم — زبان جسکی ہو ایک اور نسل و مذہب
مگر وسعت اسے بعضوں نے دی ہے — نہیں جو رائے میں اپنی مذبذب
وہ نیشن کہتے ہیں اس بھیڑ کو بھی — کہ جسمیں وحدتیں مفقود ہوں سب
زباں اِس کی نہ ہو مفہوم اُس کو — ہوں آدم تک جدا سب کے جد و اب
جو واحد لاشریک اِس کا خدا ہو — تو لاکھوں اُس کے ہوں معبود اور رب

صفائی نہ رکھنے کا عذر

راہ سے گذرا کہیں میلا کچیلا اک غلام — اُسکے میلے پن پہ لوگوں نے ملامت اُسکو کی
عرض کی "ایسا اک داں ہو جن کا ملکِ غیر — اختیار اسکی صفائی کا نہیں رکھتے رہی"
جو ہیں آزاد اور صفائی کا نہیں رکھتے خیال — عذر میلے پن کا شاید وہ بھی رکھتے ہوں یہی
کیونکہ جسمِ آدمی ہے پیشِ اہلِ معرفت — کوئی چیز اُس کی نہیں سب ہے امانت گور کی

دلّی کی شاعری کا تنزل

اک دوست نے حالی کے کہا از رہِ انصاف — "کرتے ہیں پسند اہلِ زباں اسکے سخن کو"
چند اہلِ زباں جن کو کہ دعویٰ تھا سخن کا — بولے کہ "نہیں جانتے تم شعر کے فن کو
شاعر کو یہ لازم ہے کہ ہو اہلِ زباں سے — ہو چھو نہ گئی غیر زباں اُس کے دہن کو
معلوم ہے۔ حالی کا جو ہے مولد و منشا — اُردو سے بھلا واسطہ؟ حضرت کے وطن کو
اُردو کے دھنی وہ ہیں جو دلّی کے ہیں روڑے — پنجاب کو مس اِس سے۔ نہ پورب نہ دکن کو

بلبل ہی کو معلوم ہیں انداز چمن کے — کیا عالمِ گلشن کی خبر زاغ و زغن کو

حالی کی زباں گو بمثلِ شہد لبن ہو — خالص نہ ہو تو کیجیے کیا لے کے لبن کو

ہر چند کہ صنعت سے بنائے کوئی نافہ — پہونچے گا نہ وہ نافۂ آہوئے ختن کو

مانا کہ ہے بیساختہ پن اُسکے بیاں میں — کیا پھونکیے اِس ساختہ بیساختہ پن کو"

یہ دوست نے حالی کے سُنی جبکہ نقلی — حق کہنے سے وہ رکھ نہ سکا باز دہن کو

کچھ شعر تھے یاد اُن کے پڑھے اور یہ پوچھا — "کیوں صاحبو! عزت اسی اُردو سے ہی فن کو؟

سچ یہ ہے کہ جب شعر ہوں سرکار کے ایسے — کیوں آپ لگے ماننے حالی کے سخن کو

حالی کو تو بدنام کیا اُس کے وطن نے — پر آپ نے بدنام کیا اپنے وطن کو"

بیٹیوں کی نسبت

جاہلیت کے زمانہ میں یہ تھی رسمِ عرب — کہ کسی گھر میں اگر ہوتی تھی پیدا دختر

سنگدل باپ اُسے گود سے لیکر ماں کی — گاڑ دیتا تھا زمیں میں کہیں زندہ جا کر

رسم اب بھی یہی دُنیا میں ہے جاری لیکن — جو کہ اندھے ہیں ہیئے کے نہیں کچھ انکو خبر

لوگ بیٹی کے لئے ڈھونڈتے ہیں جب پیوند — سب سے اوّل انھیں ہوتا ہے یہ منظورِ نظر

ایسے گھر بیاہئے بیٹی کو جو ہو آسُودہ — اور مہ و مہر سے جو ذات میں ہو افضل تر

جانے پہچانے ہوں سمدھیانہ کے سارے زن و مرد — اُن کے معلوم ہوں عادات و خصائل یکسر

ایک ہی شہر میں ہوں دونوں گھرانے آباد — دونوں نزدیک قرابت میں ہوں باہم دِگر

جیتے جی مر گئی بس ان کی طرف سے گویا — جا کے پردیس میں بیٹی کو دیا بیاہ اگر

چھان بین اسکی تو کرتے ہیں کہ گھر کیسا ہو — پر نہیں دیکھتا ہے کوئی کہ کیسا ہو بَر

بدمزاجی ہو۔ جہالت ہو۔ کہ ہو بدچلنی — کچھ بُرائی نہیں۔ ذُو نسبا[1] ہو داماد اگر

---

[1] یعنی ذات کا اصل اور شریف ۱۲-

وہ بھی ناشدنی ریت ہے جس کے کارن — بکریاں بھیڑیوں سے پاتی ہیں گزند اکثر
جاہلیت میں تو تھی اک یہی آفت کہ وہاں — گاڑ دیجاتی تھی بس خاک میں تنہا دختر
ساتھ بیٹی کے مگر اب پدر و مادر بھی — زندہ درگور سدا رہتے ہیں اور خستہ جگر
اپنا اور بیٹیوں کا جبکہ نہ سوچیں انجام — جاہلیت سے کہیں ہے وہ زمانہ بدتر

سیّد احمد خاں کی تصانیف کی تردید

اک مولوی کہ تنگ بہت تھا معاش سے
برسوں رہا تلاش میں وجہ معاش کی
وہ شہر شہر نوکری کی ٹوہ میں پھرا
لیکن نہ اس کے ہاتھ کہیں نوکری لگی
اخبار بھی نکال کے بخت آزمائی کی
تدبیر یہ بھی اس کی نہ تقدیر سے چلی
روزی کی خاطر اس نے کئے سیکڑوں جتن
پر کی کہیں نصیب نے اس کے نہ یاوری
راہِ طلب میں جب ہوئی سرگشتگی بہت
اک خضر پَے خجستہ نے کی آ کے رہبری
جھک کر کہا یہ کان میں اسکے کہ "آج کل
سنتا ہوں چھپ رہی ہیں تصانیفِ احمدی
جا۔ اور لفظ لفظ کو اس کے چھیڑ کر
تردید اس کی چھاپ دے جو ہو بُری بھلی
پھر دیکھنا کہ راس و چپ و گرد و پیش سے

لگتی ہے کیسی آکے زر و سیم کی جھڑی"

دنیا طلب کو چاہئے ابلہ فریب ہو
دُنیا پہ جب تلک کہ مُسلّط ہے ابلہی

یقین

آتی نہیں ہے شرم تجھے ای خدا پرست — دل میں کہیں نشان نہیں تیرے یقین کا
جی میں ترے ہزاروں گذرتے ہیں وسوسے — ہوتی نہیں قبول تری ایک اگر دُعا
تجھ سے ہزار مرتبہ بہتر ہے بُت پرست — جسکا یقین ہے تیری یقین سے کہیں سوا
وہ مانگتا بتوں سے مُرادیں ہے عمر بھر — گو حاجت اُس کی اُن سے ہوئی ہی نہ ہو روا
آتا نہیں یقین میں اُس کے کبھی قصور — اُمید اسکی روز فزوں ہے اور التجا
تو بندۂ غرض ہے۔ وہ راضی رضا پہ ہو — وہ ہے کہ یہ ہے بندگی ؟ اسے بندۂ خدا

استفادہ

لیجئے بھیک دوڑ کر۔ گر ہے گداگری کا یہ — جس سے ملے جہاں ملے جو ملے اور جب ملے
ہے یہی اصل اکتساب۔ ہوجئے سب سے مستفید — زک ملے۔ یا سزا ملے۔ درس ملے۔ ادب ملے

لایق آدمی دوست اور دشمن دونوں سے فائدہ اُٹھا سکتے ہیں

قول ایک حکیم کا ہے کہ "گر غور کیجئے — ہے حق ہیں سب کے دوست سے دشمن مفید تر
اوّل تو سوجھتا ہی نہیں عیب دوست کو — اور سوجھتا ہے تو نہیں لاتا زبان پر

پر ایک بار دشمن اگر دیکھ پائے عیب — سو سو طرح سے وہ اُسے کرتا ہے جلوہ گر
دشمن سے بڑھ کے کوئی نہیں آدمی کا دوست — منظور اپنے حال کی اصلاح ہو اگر
اور دوست سے زیادہ نہیں کوئی بدسگال — رکھتا ہے جو کہ دوست کی عیب اُس سے مستتر"

گو قول ہے متین پہ جو تھی سخن کی تہہ — افسوس ہے حکیم کی پہونچی نہ واں نظر
دشمن کے جو کہ طعن سے ہوتے ہیں مستفید — عیب انکے دوست کیوں نہ جتائینگے بےخطر
اور جو کہ دوست سے نہیں سُن سکتے اپنے عیب — وہ دشمنوں کے طعن سے کیا ہونگے بہرہ ور
جن کو خدا نے جوہرِ قابل دیا ہے یاں — موقوف عبرت[1] انکی نہ دشمن نہ دوست پہ

سخن سازی

ہے مردِ سخن ساز بھی دُنیا میں عجب چیز — پاؤگے کسی فن میں کہیں بند نہ اسکو
موجود سخنگو ہوں جہاں واں ہیں طبیب آپ — اور جاتے ہیں بن آپ طبیبوں میں سخنگو
دونوں میں سے کوئی نہ ہو تو آپ ہیں سب کچھ — پر ہیچ ہیں جس وقت کہ موجود ہوں دونو

عادت کا غلبہ عقل پر

دیکھ عادت کا تسلط میں نے عادت سے کہا — گھیر لی عقلِ صواب اندیش کی سب تو نے جائے
ہنسکے عادت نے کہا کیا عقل ہے مجھسے الگ؟ — میں ہی بنجاتی ہوں نادان رفتہ رفتہ عقل و رائے

شعرا کو سلطنت میں دخل دینا

سُنتے ہیں یہ اک مدبر کی ہے رائے — چاہیے گر رونقِ علمِ زباں

---

[1] عبرت و اعتبار نصیحت حاصل کرنا۔ ۱۲

شاعروں کو سلطنت کا کہیے رکن
جنپہ اسکی سب ارکانیں ہیں عیاں"

رائے صائب ہی بظاہر اور متین
گو کیا اس کا نہیں کچھ امتحان

شعر و انشا کو تو ہو شاید فروغ
ہے بہت کم بر خلاف اسکے گمان

سلطنت کا پر خدا حافظ ہے۔ جب
شاعروں کے ہاتھ ہو اسکی عنان

اور جو وہ شاعر ہیں ہندوستان کے
شعر و انشا کو بھی ہے خوفِ زیان

ایک پر انکیں سے چل سکتا نہیں
دوسرے کا جادوئے حسنِ بیان

ایک جب چلنے نہ دیگا ایک کی
پھر ترقی شعر و انشا کی کہاں؟

لوگ کسی کی خوبیاں سن کر اتنے خوش نہیں ہوتے جتنے کہ اسکے عیب سنکر

اپنے عیبوں کے ہیں ہم جتنے کہ ممنون حالی

اِس قدر خوبیوں کے اپنے نہیں شکر گذار

لوگ جب عیب ہمارا کوئی سن پاتے ہیں

گو کہ کرتے ہیں تاسف کا بظاہر اظہار

پر خوشی کا ہے یہ عالم کہ ہو سچ اُن کو کمال

گر نصیبوں سے وہ افواہ غلط پائے قرار

اور جو ہو گوش زد اُن کے کوئی خوبی اپنی

خوش تو پڑتی ہے بنانی اُنھیں صورت ناچار

دل میں ہوتا ہے مگر غم کا یہ عالم اُنکے

کہ ملال اپنا چھپا سکتے نہیں وہ زنہار

لِلّٰہ الحمد کہ مخلوق کے خوش کرنے کا

نفس میں اپنے ہے سامان بہت کچھ تیار

شائستہ لوگوں کا برتاؤ سائل کے ساتھ

عادت تھی اک فقیر کی کرتا تھا جب سوال
انگریز کے سوا نہ کسی سے تھا مانگتا

مدت تک اسکی جب یہی دیکھی گئی روش
پوچھا کسی نے اس سے کہ اسکا سبب ہے کیا

بولا کہ عادت اس لئے کی ہے یہ اختیار
چھٹ جائے تاکہ مجھ سے یہ لپکا سوال کا

پہلے جو بھاگوان سے ملتی تھی روز بھیک
آتا تھا مانگنے میں بہت بھیک کے مزا

پر جب سے ہے سوال کا اس قوم پہ مدار
منت سے عجز سے کبھی ملتا نہیں ٹکا

امید ہے کہ مانگنے کی چھوٹ جائے لت
گر چند روز اور رہا ان سے سابقہ

آیا جواب سن کے یہ اس کا بہت پسند
کی آفرین اور اس سے مخاطب نے یوں کہا

نیٹو ہیں جو کہ ملک میں تعلیم یافتہ
حق میں ترے مفید ہیں یہ ان سے بھی سوا

انگریز اگرچہ ہندیوں کے حق میں ہیں بخیل
اہلِ وطن پہ ان کی مگر جان ہے فدا

پر جو کہ دیسیوں میں ہیں تعلیم یافتہ
دل بھائیوں پہ بھی نہیں ان کا پسیجتا

انگریز اتنے اجنبیوں سے نہیں نفور
جتنے کہ یہ عزیز عزیزوں سے ہیں خفا

اہلِ غرض پہ کاٹنے کو دوڑتے ہیں یہ
شائستگی کا زہر ہے جب سے انھیں چڑھا

اسراف

ایک مسرف نے یہ ممسک سے کہا
کب تلک اے نادان یہ حبِ مال و زر

تو جو یوں رکھتا ہے دولت جوڑ جوڑ
ہے سدا دنیا ہی میں رہنا مگر؟

ہنسکے ممسک نے کہا اے سادہ لوح
زر اڑانا رائگاں اور اس قدر

آج ہی گویا (نصیب دشمناں)
آپ کا دنیا سے ہے عزمِ سفر

پاسِ نیکنامی

اے نیکنام شکر کر اللہ کا ادا — جس نے بنایا نیک تجھے کرکے نیکنام
ہوتا اگر نہ پاس تجھے نامِ نیک کا — پھر دیکھتے کہ کرتا ہے تو کیسے نیک کام
حاشا کہ تجکو خوف خدا کا ہو اس قدر — جتنا کہ خوفِ طعنہ و تشنیعِ خاص و عام

غرورِ نیکنامی

گئی ہے حد سے گذر شیخ کی نکونامی — گمانِ بد کبھی اُس کی طرف نہیں جاتا
جو اُسکے عیب قسم سے بیان کرے کوئی — خود اُسکو عیب کا اپنے یقین نہیں آتا

کالے اور گورے کی صحت کا میڈیکل امتحان

دو ملازم - ایک کالا اور گورا دوسرا — دوسرا پیدل - مگر پہلا سوار اسپ راہوار
تھے سول سرجن کی کوٹھی کی طرف دونوں رواں — کیونکہ بیماری کی رخصت کے تھے دونوں خواستگار
راہ میں دونوں کے باہم ہوگئی کچھ ہشت مشت — کوکھ میں کالے کی اک مُکّا دیا گورے نے مار
صدمہ پہونچا جب تلّی کو بہت مُکّوں کی — آکے گھوڑے سے لیا سائیس نے اُسکو اُتار
ٹھوک کر کالے کو گورے نے تو اپنی راہ لی — چوٹ کے صدمے سے غش کالے کو آیا چند بار
آخرش کوٹھی پہ پہونچے جا کے دونوں پیش پیش — ضارب اپنے پاؤں اور مضروب ڈولی میں سوار
ڈاکٹر نے آکے دونوں کی سُنی جب سرگذشت — تہ کو جا پہونچا سخن کی سُن کے قصہ ایک بار
دی سند گورے کو لکھ کر جسمیں تصدیق مرض — اور یہ لکھا تھا کہ سائل ہے بہت زار و نزار
"یعنی اک کالا نہ جس گورے کے مُکّے سے مرے — کر نہیں سکتا حکومت ہند پر وہ زینہار"
اور کہا کالے سے تمکو مل نہیں سکتی سند — کیونکہ تم معلوم ہوتے ہو بظاہر جاندار

ایک کالا پٹا کے جو گیتے ہی فوراً مر نہ جائے   آئے بابا اس کی بیماری کا کیونکر اعتبار"

خودستائی

اے دل! بشر وہ کون ہے جو خودستا نہیں؟   پر خودستائیوں کے ہیں عنوان جدا جدا
جو زیور خرد سے معرا ہیں سادہ لوح   کرتے ہیں خوبیاں وہ بیاں اپنی برملا

جو ان سے تیز ہوش ہیں سو سو طرح سے وہ   پردوں میں کرتے ہیں اسی مضمون کو ادا
کہتا ہے ایک کیسی حماقت ہوئی ہے آج   کمبل تھا ایک گھر میں سو سائل کو دیدیا
کہتا ہے دوسرا کہ گیا ہو کے منفعل   سائل کی ڈب میں میں نے دیا مال جب دکھا
پردہ میں زیرکی کے چھپاتا ہے بخل یہ   اور بن کے بیوقوف جتاتا ہے وہ سخا

کچھ۔ اس لئے کہ ہم بھی انھیں میں سے ہوں شمار   اہل وطن کی اپنے بہت کرتے ہیں ثنا
کچھ۔ اس لئے کہ اپنا ہو انصاف آشکار   کرتے ہیں اپنی قوم کی تنقیص جا بجا

کہتا ہے ایک۔ لاکھ شرما لئے بُرا کوئی   ہے عیب صاف گوئی کا ہم میں بہت بڑا
کہتا ہے ایک۔ گُر ہے خوشامد کا اور ہی   پہنچاتے آدمی کو ہیں کہہ کہہ کے ہم برا
دھوکا ہنر کا دے کے چھپاتا ہے عیب یہ   اور منہ سے درد کہہ کے دکھاتا ہے وہ صفا

چپ چاپ سنتا ہے کوئی اپنی خوبیاں   یعنی کہ یہ بیان ہے سب راست اور بجا
کہتا ہے اس پہ کوئی کہ سب حسن ظن ہے یہ   اک خاکسار کو جو دیا تم نے یوں بڑھا
قانع ہے وہ انھیں پہ۔ ہوئے وصف جو بیاں   اور چاہتا ہے یہ کہ ہو تعریف کچھ سوا

کہتا ہے زید۔ عمرو ہے شدت سے سادہ لوح   گنتا ہے سب کو نیک وہ۔ اچھا ہو یا بُرا
کہتا ہے عمرو۔ زید بھی کتنا ہے عیب بیں   بد ہو کہ نیک۔ اسکی زباں سے نہیں بچا
یہ اس کا اور وہ اسکا بیاں کرکے کوئی عیب   ہر اک ہے اپنی اپنی بڑائی نکالتا

غیبت۔ امید ہے کہ نہ ہوتی جہان میں   ہوتا اگر یہ خاک کا پُتلا نہ خودستا

حالی جو تیرے کھول رہے ہیں جہان کے	شاید کہ اس سے آپ کا ہوگا یہ مدعا
یعنی کہ لاکھ پردوں میں کوئی چھپائے عیب	اپنی نظر سے وہ نہیں سکتا کبھی چھپا
القصہ جسکو دیکھئے جاہل ہو یا حکیم	آزار میں خودی کے ہے بیچارہ مبتلا

حملۂ نفس

ہم سمجھتے تھے کہ نفس دوں ہمارے بس میں ہے
گر کبھی حملہ پہ اس کے غالب آجاتے تھے ہم
پر جو دیکھا غور سے وہ بھبکیاں تھیں نفس کی
جن کو نادانی سے حملے اسکے ٹھیراتے تھے ہم
جب کیا حملہ دئیے سب عقل نے ہتھیار ڈال
زور بازو پر ہمیشہ جس کے اتراتے تھے ہم

جس قوم میں افلاس ہو اس میں بخل اتنا بدنما نہیں جتنا اسراف

حالی سے کہا ہمنے کہ ہے اس کا سبب کیا	جب کرتے ہو تم کرتے ہو مسرف کی مذمت
لیکن بخلاف آپ کے سب اگلے سخنور	جب کرتے تھے کرتے تھے بخیلوں کو ملامت
اسراف بھی مذموم ہے۔ پر بخل سے کمتر	ہے جس سے کہ انسان کو بالطبع عداوت

حالی نے کہا رو کے نہ پوچھو سبب اسکا	یاروں کے لئے ہے یہ بیاں موجب رقت
کرتے تھے بخیلوں کو ملامت سلف اسوقت	جب قوم میں افراط سے تھی دولت و ثروت
وہ جانتے تھے قوم ہو جس وقت تونگر	پھر اسمیں نہیں بخل سے بدتر کوئی خصلت
اور اب کہ نہ دولت ہے نہ ثروت ہے نہ اقبال	گھر گھر یہ ہے چھایا ہوا افلاس و فلاکت

ترغیب سخاوت کی ہے اب قوم کو ایسی پروا زکی ہو جیونٹوں کو جیسے ہدایت

رؤسائے عہد کی فیاضی

کی رئیسِ شہر کی تعریف یاروں نے بہت
برسبیلِ تذکرہ باہم جو ذکر اس کا چلا
بولے "آج اُس کا نہیں مہمان نوازی میں نظیر
عاملانِ شہر مدعو اُس کے رہتے ہیں سدا
ضلع کے حکام کا ادنٰے اشارہ چاہیئے
پھر کوئی دیکھے سخاوت اُس کی اور بذل و عطا
یادگاریں جتنی ہیں اعیانِ دولت کی نہیں
اُنمیں صرف اسکی رقم ہے سب کے چندہ سی سوا
پالکی یا ونگنٹ ہے جو سواری اُس کے پاس
اہلکاروں کے لئے ہر وقت بے چون و چرا
کیا کلکٹر کیا کمشنر کیا سپاہی کیا عسس
اُس کی ہمت کے ہیں سب مداح بے رد و ریا"
جب یہ دیکھا مدح کا دفتر نہیں ہوتا تمام
جوڑ کر ہاتھ۔ اُن سے حالی نے بصد منت کہا
عیب بھی اُس کا کوئی آخر کرو یارو بیاں
سنتے سنتے خوبیاں جی اپنا متلانے لگا"

ایمان کی تعریف

فقیہِ شہر نے ایمان کی جو کی تعریف — تو دی "چراغ" سے اُسکو بہ آب و تاب مثال
کہا "فتیلہ، اقرار باللساں ہے ضرور — جہاں ہو آتشِ تصدیق و روغنِ اعمال"
کہا کسی نے کہ نکلا ہے اندنوں اک تیل[1] — نہیں ضرور فتیلہ کا جس میں استعمال"

برکتِ اتفاق

کہہ رہا تھا یہ اک آزاد کہ "ہے جنمیں ملاپ — دولت و بخت ہی ہر حال میں اُنکے ہمراہ
نہ انھیں حاجتِ اعوان۔ نہ تلاشِ انصار — نہ انھیں خوفِ بداندیش۔ نہ بیمِ بدخواہ
پر۔ نہیں رابطہ جس قوم میں اور یکجہتی — اُسکی دُنیا سے یہ سمجھو کہ گئی عزت و جاہ
نہ ملاذ اُن کے لئے قلعہ نہ خندق نہ فصیل — نہ مفید اُن کے لئے فوج نہ لشکر نہ سپاہ"

ایک مُلّا نے سُنا جب یہ سخن فرمایا — "تکیہ اور اس قدر۔ اسباب پہ کرنا ہے گناہ
اتفاق اور نفاق اصل میں کچھ چیز نہیں — دستِ قدرت کے ہی سب ہاتھ سفید اور سیاہ
واں نہ ملّت کی ضرورت ہے۔ نہ کچھ پھوٹ کا ڈر — پڑ گئی فضل کی مولا کے جدھر ایک نگاہ"

کہا آزاد نے سچ ہے کہ وہ دے ساتھ اگر — کردیں افراد پراگندہ۔ جماعت کو تباہ
پر مجھے خوب ہے اللہ کی عادت معلوم — اُسکو جب دیکھا ہے دیکھا ہے جتھوں کے ہمراہ

بُعدِ صوری مانعِ قربِ معنوی نہیں ہے

حالی نے جو رہنے کے لئے شہر میں اک گھر

---

[1] یعنی کروسین آئل جو بغیر بتی کے بھی جل سکتا ہے۔ گویا مجیب کے نزدیک اقرار باللسان ایمان کی تعریف میں داخل نہیں ہے ۱۲۔

جا اپنے محلّے سے کہیں دور بسایا
جب اہلِ محلّہ سے چلا ہو کے وہ رخصت
دل دردِ جدائی سے عزیزوں کا بھر آیا
ہمسایہ و احباب لگے کرنے سب افسوس
اک دوست شکایت سے سخن لب پہ یہ لایا
"بلّی - کہ جو بے عقل ہے دم دیتی ہے گھر پہ
اتنی بھی محبت تمھیں گھر سے نہیں آیا؟"
حالی نے کہا "انس ہے چیز اور - وفا اور
بلّی نے مزا پھل کا وفا کے نہیں پایا
اُس مہر و وفا کی نہیں بلّی پہ پڑی چھینٹ
کتّے نے ہے جس کا کہ سبق ہم کو پڑھایا
ہم عشق ہیں مکینوں پہ وہ عاشق ہے مکاں کی
گھر بھول گئے ہم تو نہیں تم کو بھلایا
گھر دل میں ہو یاروں کا تو پھر - گھر ہے برابر
مشرق میں بنایا ہو کہ مغرب میں بسایا"

ناصحِ مخلص اور اہلِ غرض میں تمیز

منصور نے یہ جعفر صادقؑ سے عرض کی
محتاج ہے ہمیشہ سے ناصح کا ہر بشر
کرتے رہیں گر آپ کرم مجھ پہ گاہ گاہ
ہوشیار ہوں گا پند سے حضرت کی بہرہ ور
فرمایا ہوتے ہیں تری صحبت میں جو شریک
لائیں گے وہ نہ حرفِ نصیحت زبان پر
اور جن سے ہو امیدِ نصیحت وہ بالیقیں
صحبت میں بیٹھنے سے کرینگے تری حذر

خادم آقا کی خدمت میں کیوں گستاخ ہو جاتے ہیں؟

کہتے ہیں خدّام ماموں کے بہت گستاخ تھے　　ایک خادم کی گستاخی پہ ماموں نے کہا
"کوئی آقا جبکہ خوش اخلاق ہوتا ہے بہت　　پیش خدمت اسکے بد اخلاق ہوتے ہیں سدا"
پر جو سچ پوچھو تو ہونا خادموں کا شوخ چشم　　ہے دلیل اسکی کہ ہے خود خُلق آقا کا بُرا
کھو دیا ہیبت کو اپنی جس نے اور تمکین کو　　اُس نے گویا ڈھا دیا رکن رکین اخلاق کا

خوشامد کرنے کی ضرورت

متوکّل کا تیر چڑیا پر　　ہو گیا اتفاق سے جو خطا
ابنِ حمدون ندیم تھا حاضر　　کی خلیفہ کی مدح اور یہ کہا
"جن کو خلقِ خدا پہ شفقت ہے　　خوں بہانا نہیں وہ رکھتے روا
جا نہ سکتی تھی بچ کے تیر سے وہ　　تو نے دی قصداً اسکی جان بچا"

ابنِ حمدون نے کی یہ دانائی　　کہ خوشامد سے یوں اُسے تھپکا
دُور تھا ورنہ کیا خلیفہ سے　　ہو کے اپنی خطا سے کھسیانا
جائے گنجشک ابنِ حمدوں پہ　　تیر کا اپنے امتحاں کرتا
ابنِ حمدون کی جان گو جاتی　　دل تو ہوتا خلیفہ کا ٹھنڈا

رعیّت پر نااہل کو مسلّط کرنا

ہارون نے کہا مصر لگا ہاتھ جب اسکے　　"فرعون کا تھا مصر ہی نے مغز چلایا
وہ خطۂ ملعون تھا یہی جس کی بدولت　　تھا دل میں خدائی کا خیال اُس کے سمایا
میں بھی اُسے اُس باغی طاغی کے علی الرغم　　اک بندۂ بیقدر کو بخشوں گا خدایا"

کہتے ہیں خصیب ایک غلام حبشی تھا — جسپر نہ پڑا تھا خرد و ہوش کا سایا
کی سلطنتِ مصر کی باگ اُسکے حوالے — نااہل کے پنجہ میں اہالی کو پھنسایا
باڑھی گئی جب ایک برس نیل کی رَو میں — یہ حادثہ آ- اُس کو کسانوں نے سنایا
فرمایا کہ "روئی کی جگہ بوتے اگر اُون — ہوتا نہ یہ نقصان کہ جو تم نے اُٹھایا"

ہارون نہ سمجھا کہ ودیعت ہے خدا کی — محکوم ہے جو میری رعایا و برایا
فرعون کی مانند اگر وہ بھی سمجھتا — اپنے کو خدا - جس نے ہے عالم کو بنایا
جوکھوں میں نہ یوں ڈالتا مخلوق کو اپنی — اِک سفلۂ ناکس کی بنا اُس کو رعایا

رشک

ظاہرا مردوں کی طینت میں نہیں رشک اسقدر
ہے طبیعت میں وہ جتنا عورتوں کی جاگزیں
ایک شہزادی - کہ اکلوتی تھی جو ماں باپ کی
تختِ شاہی پر ہوئی بعد از پدر مسند نشیں
سلطنت میں اُسکی - تھا مردوں کو کلّی اختیار
عورتیں اصلاً دخیل اُس کی حکومت میں نہ تھیں
مرد ہی تھے اُسکے محرم - مرد ہی اُس کے مشیر
تھا نہ عورت کا پتا دربار میں اُسکے کہیں
تخلیہ میں ایک دن جب چند حاضر تھے ندیم
ہنس کے فرمایا کہ "اے دولت کے ارکانِ رکین
مرد ہونے کے سبب تم سے نہیں مانوس میں
بلکہ ہے اُنس اِسلئے تم سے کہ تم عورت نہیں"

بات کی۔ حسنِ بیان سے اس نے دی صورت بدل
تاکہ کوئی سوءِ ظن اس پر نہ کر بیٹھے کہیں
ورنہ یوں کہتی کہ "ہے عورت کی سیرت سے مجھے
اس سلئے نفرت کہ ہیں مردوں کی صورت دلنشیں"

قانون

کہتے ہیں ہر فردِ انساں پر یہی فرض	ماننا قانون کا بعد از خدا
پر جو سچ پوچھو۔ نہیں قانون ہیں	جان کچھ مکڑی کے جالے سے سوا
اس میں پھنس جاتے ہیں جو کمزور ہیں	اور ہلا سکتے نہیں کچھ دست و پا
پر اسے دیتے ہیں توڑ اک آن میں	جو سکت رکھتے ہیں ہاتھوں میں ذرا
حق میں کمزوروں کے ہے قانون وہ	اور نظر میں زورمندوں کی ہے لا

شادی قبل از وقتِ بلوغ

جب تک نہ شاہزادہ اٹھارہ سال کا ہو	تخت پر اسکو ممنوع ہی بٹھانا
قانون ہے بنایا یہ ان مقننوں نے	عالم میں آجکل جو مانے ہوئے ہیں دانا
لیکن کریں نہ اس کی قبل از بلوغ شادی	کہتے ہیں وہ عبث ہی قانون یہ بنانا
نزدیک ان کے گویا بزعمِ عقل و دانش	ہے کنگڈم سے آساں میڈم کو بس میں لانا

حرص

اثنائے وعظ میں ہے تکیہ کلام واعظ	"قدرِ قلیل ہے سب مال و منالِ دنیا"
گویا کہ حرص اسکی اس سے کبھی نہیں ہے	ہے جسقدر فراہم پاس اسکے مالِ دنیا

اُمرا اور عقلاء

جانتے ہیں اگر پاس امیروں کے خرد مند — وہ جانتے ہیں جو کہ ہے جانے کی ضرورت
پر اپنی ضرورت سے خبردار نہیں ہیں — ملتے عقلا سے نہیں جو صاحب ثروت
بیمار کے محتاج ہیں جتنے کہ اطبّا — بیمار کو کچھ اس سے سوا اُن کی ہے حاجت

عصمت بی بی از بے چادری

اے بینوا اکڑ اینٹھتے ہو کیا منعموں پہ تم — اخلاق ہیں کچھ اُن کے اگر آگیا بگاڑ
تم زد سے نفس کی ہو جبھی تک بچے ہوئے — ہو جب تلک کہ پکڑے ہوئے مفلسی کی آڑ
اسباب جو کہ جمع ہیں منعم کے گرد و پیش — گر تم کو ہو نصیب تو دُنیا کو دو اُجاڑ

سچ کہاں ہے؟

دیکھنے ہوں تمہیں گر جھوٹ کے انبار لگے
دیکھ لو جا کے خزانوں میں کتب خانوں کے
سچ کو تحریروں میں پاؤ گے نہ تقریروں میں
سچ کہیں ہے تو وہ سینوں میں ہے انسانوں کے

اپنا الزام دوسروں پر تھوپنا

کھوٹ کاریگر سے جب کوئی بگڑ جاتا ہے کام
اپنے اوزاروں کو وہ الزام دیتا ہے سدا
افسروں کا بھی یہی شیوہ ہے وقتِ بازپرس

اپنے ماتحتوں کے سر دیتے ہیں تھوپ اپنی خطا

خوشامد کے معنی

خوشامد کرتے ہیں آ آ کے جو لوگ	تمھاری ہر دم اے ارباب دولت
خوشامد پر نہ اُن کی بھولنا تم	وہ گویا تم کو کرتے ہیں ملامت
کہ جو ہم نے بیاں کیں خصلتیں نیک	نہیں اُنمیں سے تم میں ایک خصلت

تدبیر قیام سلطنت

تدبیر یہ کہتی تھی کہ "جو ملک ہو مفتوح	وہاں پاؤں جمانے کے لیے تفرقہ ڈالو"
اور عقل خلاف اُسکے تھی یہ مشورہ دیتی	"یہ حرف سُبک بھول کے مُنھ سے نہ نکالو"
پر رائے نے فرمایا کہ "جو کہتی ہے تدبیر	مانو اُسے - اور عقل کا کہنا بھی نہ ٹالو
کرنے کے ہیں جو کام وہ کرتے رہو لیکن	جو بات سُبک ہو اُسے مُنھ سے نہ نکالو"

مرد اور عورت کی حکومت کا فرق

پُوچھا کسی دانا سے سبب کیا ہے کہ اکثر	مردوں کی حکومت میں ہیں ملکوں کی بُری گت
لیکن بخلاف اسکے ہی عورت کا جہاں راج	واں ملک ہیں سرسبز اور آباد رعیّت؟
فرمایا کہ "ہوتے ہیں جہاں مرد جہاندار	قبضہ میں ہی واں عورتوں کے دولت و مکنت
اور سر پہ ہے عورت کے جہاں افسرِ شاہی	سمجھو کہ ہے اس ملک میں مردوں کی حکومت"

مغرور کی پہچان

غرورِ زید کی کرتا ہے گر شکایت عمرو	تو سمجھو کرتا ہے اپنے غرور کا اظہار

جنھوں نے آپ کو سب سے سمجھ لیا ہے بڑا — برائی دیکھ نہیں سکتے غیر کی زنہار

کام اچھا کرنا چاہیئے نہ جلد

کام اچھا کوئی بن آیا اگر انسان سے — اس نے کی تاخیر اس نے جسقدر اچھا کیا
کب کیا کیونکر کیا یہ پوچھتا کوئی نہیں — بلکہ ہیں یہ دیکھتے جو کچھ کیا کیسا کیا؟

گدائے مبہم

ایک برہمن مورتی کے سامنے باصد نیاز
مانگتا تھا ہاتھ پھیلائے دُعا بیٹھا کہیں
آن نکلا بانوا اک مانگتا کھاتا ادھر
دیکھ محویت برہمن کی گیا بس جم وہیں
جی میں آیا چھیڑ کر قائل برہمن کو کرے
تا کہ پُوجے کچھ نہ کچھ یاروں کو ہو کر شرمگیں
مورتی کے سامنے جب کر چکا وہ التجا
بانوا بولا کہ ہے "تو بھی عجب کوتاہ بیں،
مورتی کچھ تجکو دے گی اور نہ دے سکتی ہے وہ
ناحق اتنی التجائیں اُس کے آگے تونے کیں"
ہنس کے برہمن نے کہا ہے مانگنا بندہ کا کام
دے نہ دے وہ ۔ اس سے کچھ مطلب نہیں اپنے تئیں
ہم نہیں دیتے ڈھئی تم جیسے ڈھیٹوں کی طرح
ہاتھ پھیلاتے ہیں لیکن پانوں پھیلاتے نہیں"

بے اعتدالی

تم اے خود پرستو طبیعت کے بندو — ذرا وصف اپنے سنو کان دھر کے
نہیں کام کا تم کو اندازہ ہرگز — جدھر ڈھل گئے ہو رہے بس اُدھر کے
جو گانے بجانے پہ آئی طبیعت — تو چیخ اُٹھے دو دن میں ہمسایے گھر کے
جو مجرے میں بیٹھو تو اُٹھو نہ جب تک — کہ اُٹھ جائیں ساتھی سب ایک ایک کر کے
اگر پل پڑے چوسر اور گنجفہ پر — تو فرصت ملے شاید اب تم کو مر کے
پڑا مرغ بازی کا لپکا تو جانو — کہ بس ٹھن گئے عزم جنگ تتر کے
چڑھا بھوت عشق و جوانی کا سر پر — تو پھر گھاٹ کے آپ ہیں اور نہ گھر کے
جو ہے تم کو کھانے کا چسکا تو سمجھو — کہ چھوڑیں گے اب آپ دوزخ کو بھر کے
جو پینے پہ آؤ تو پی جاؤ اتنی — رہیں پاؤں کے ہوش نہ سر کے
جو کھانا تو بے حد جو پینا تو اٹ گٹ — غرض یہ کہ سرکار ہیں پیٹ[۱] بھر کے

طبیب اپنے بیماروں کے مرنے پر مغموم کیوں نہیں ہوتے؟

بشر کے صدمے سے ہوتا ہے ہر بشر کو ملال — کہ ایک جڑ کی ہیں سب ٹہنیاں صغار و کبار
یہ صدمہ گر غلطی سے کسی کی پڑتا ہے — تو اور بھی اُسے دیتا ہے انفعال فشار
یہی سبب ہے کہ ہوتے نہیں طبیب ملول — جو چل بسے کوئی اُن کے علاج میں بیمار
وہ جانتے ہیں کہ تھپ جائیگی خطا ہم پر — کیا ملال کا اپنے گر اس جگہ اظہار

---

۱ یعنے پیٹ بھر کے احمق۔ احمق کا لفظ اکثر اس مقام پر حذف کر دیتے ہیں گویا مخاطب کے سوا کسی پر اس کی حماقت ظاہر کرنا نہیں چاہتے ۱۲

اپنی ایک خوبی کو بار بار ظاہر کرنا

گو آدمی کا حافظہ کیسا ہی ہو تو ی
پر بھول چوک ہے بشریت کا مقتضا

ہوتا ہے اُس سے کارِ نمایاں کوئی اگر
کرتا ہے بار بار بیان اُسکو برملا

یہ تو وہ بھولتا نہیں ہرگز کہ چاہیئے
ہر بار اپنی مدح کا پیرایہ اک جدا

پر اتفاق سے نہیں رہتا یہ اُسکو یاد
یاروں سے میں بیان ابھی کرچکا ہوں کیا

بھولے نہ اپنی یاد یہ انساں کو چاہیئے
آخر بشر کا خاصہ ہے سہو اور خطا

فضول خرچی کا انجام

سرے پہ راہ کے بیٹھا تھا اک گدا اسی طرح سے
جہاں سے ہو کے گذرتے تھے سب صغیر و کبیر

ہر اک سے ایک درم مانگتا تھا بے کم و بیش
سخی ہو اسمیں کہ ممسک غریب ہو کہ امیر

فضول خرچ تھا بستی میں ایک دولتمند
کہ جسکا تھا کوئی اسراف میں نہ شبہ و نظیر

ہوا جو ایک دن اس راہ سے گذر اُسکا
درم اک اس نے بھی چاہا کہ کیجے نذرِ فقیر

کہا فقیر نے وہ گو اپنی یہ نہیں عادت
کہ لیں درم سے زیادہ کسی سے ایک شعیر

یہ لوں گا آپ سے میں پانچ کم سے کم دینار
کہ دولت آپ کی پاتا ہوں میں زوال پذیر

یہی اگر اللے تللے رہے تو آپ کو بھی
ہماری طرح سے ہونا ہے ایک روز فقیر

سو وقت ہی یہی لینے کا خود بدولت سے
دکھائے دیکھیے پھر اسکے بعد کیا تقدیر

اختلافِ مذاہب رفع نہیں ہو سکتا

غیر ممکن ہے کہ اُٹھ جائے دلیل و بحث سے

جو چلا آتا ہے باہم اہلِ مذہب میں خلاف

ہو نہیں سکتا مطابق جبکہ دو گھڑیوں کا وقت
رفع ہو سکتے ہیں پھر کیونکر ہزاروں اختلاف؟

انسان جو اشرف المخلوقات ہے سب سے زیادہ مورد آفات ہے

دل پہ جو کیفیتیں ہیں ناگوار — وہ ہیں انمیں سے نہایت جانگزا
ایک فکر اس آنے والے وقت کی — شک نہیں ہے جسکے آنے میں ذرا
دوسرے چوٹیں زبانِ خلق کی — زخم جن کا زخم ہے تلوار کا
اور بھی حیوانِ ناطق کے لئے — ہیں بہت سی زحمتیں انکے سوا
پر گدھے اور اور حیوانات سب — رہتے ہیں دور۔ ان گزندوں سے سوا
کیسا ان آلام سے رہتا بچت — اشرف المخلوق اگر ہوتا گدھا؟

چنڈو بازی کا انجام

ایک متوالے سے چنڈو کے وہ تھا ہوش میں جب
پوچھا ناصح نے کہ اس کام کا آخر انجام؟
بولا "انجام وہی جو کہ ہے سب کو معلوم
زندگانی کو وداع اور جوانی کو سلام
آنکھ میں اپنے پرائے کی ٹھہرنا بیقدر
شہر کے کوچہ و بازار میں رہنا بدنام
جس سے عقبیٰ ہو درست ایسا نہ ہونا کوئی ہیچ
جس سے دنیا میں ہو نام ایسا نہ کرنا کوئی کام
ہم پہ آئینہ ہے جو حال ہے ہونا اپنا

نفسِ سرکش کے مگر ہاتھ میں ہے اپنی زمام"

کہا ناصح نے کہ "انجام ہو معلوم اگر
لے نہ اس زہرِ ہلاہل کا کوئی بھول کے نام

یہ تو کہتے ہو کہ انجام بُرا ہے ۔ لیکن
یہ بتاؤ کہ بُرا ہوتا ہے کیسا انجام؟

بُرے انجام کی تب ہوگی حقیقت روشن
بُرے انجام سے جب آ کے پڑے گا خود کام

مرنے والے ہی کو ہے موت کی لذت معلوم
گو کہ رکھتے ہیں یقینِ موت کا سب پختہ و خام"

قوم کی پاسداری

اک مسلمانِ خاص انگریزوں پہ تھا یوں نکتہ چین
"پاس ان لوگوں کو اپنی قوم کا ہے کس قدر

چاہتے ہیں ۔ نفع پہونچے اپنے اہلِ ملک کو
گو کہ اُن کے نفع میں ہو ایک عالم کا ضرر

کارخانہ کا یہ رہا جس کے کبھی جا کو نہ لیں
اُس کا ہو بیچارہ ہندی بیچنے والا اگر

خوردنی چیزیں جو یاں سے لینی پڑتی ہیں انھیں
اُن کو لندن سے منگائیں بس چلے اِن کا اگر

الغرض اہلِ وطن کی پاسداری کو یہ لوگ
جانتے ہیں دین و ایماں اپنا ۔ قصہ مختصر"

سُن کے حالی نے کہا۔ "ہے حصر انگریزوں پہ کیا
ایک سے ہے ایک قوم اِس عیب میں آلودہ تر
ہیں محبّت میں سب اندھے اپنی اپنی قوم کے
یہ وہ خصلت ہے کہ مجبول اس پہ ہے طبعِ بشر
کھیاں جیتی نگل جاتے ہیں پاسِ قوم میں
اچھے اچھے راستباز اور حق پسند اور دادگر
ہاں۔ بری ہی اس عیب سے لے دیکھ اس دُنیا میں ہو
چشم بد دور اُمّتِ مرحُوم اے جانِ پدر
اور قوموں سے انھیں لوگوں کو ہے یہ امتیاز
حملہ جب کرتے ہیں یہ۔ کرتے ہیں اپنی فوج پر
ہوگا خوف ایسا نہ دشمن سے کسی دشمن کو یاں
جسقدر رہے۔ اِن سے اپنوں اور یگانوں کو خطر"

قطعہ بجناب نواب سر آسمان جاہ بہادر مدار المہام سرکار عالی

مرتبہ سنہ ۱۳۰۵ ہجری

آسمان جاہ کی خدمت میں یہ حالی کی ہے عرض
کہ اگر میرا ہر اک رونگٹا ہو جائے زبان
شکر ممکن نہیں اس کا کہ مجھی گھر بیٹھے
اس نے ممتاز کیا بھیج کے شاہی فرمان
نہ ہوئی مجھ سے کوئی خدمت سرکار نظام
نہ کیا میں نے کبھی طوفِ درِ صدرِ زمان
نہ کوئی مجھ میں ہنر ایسا کہ ہو لائقِ قدر
اور نہ ایسا کوئی جوہر جو ہو قیمت میں گران
حق نہ تھا دولتِ عالی پہ کوئی حالی کا
جسکے جلدو میں وہ اس لطف کا ہوتا شایان

ہاں مگر ذات میں ہی فیض رسانی جن کی ڈھونڈھ لیتے ہیں کوئی حیلہ برائے احسان

ہیں مُربّی ہنر و بے ہنری کے۔ جس طرح خار و گل دونوں کو کرتا ہی نہال آبِ رواں

آسمان جاہ کا اک میں ہی نہیں شکر گذار ملک میں اُسکا ثنا خواں ہی ہر اک پیر و جواں

یاں وہ اُن کھیتیوں کو دیکھے گیا ہی پانی آنکھ اسلام کی خود جنکی طرف ہے نگراں

قوم اس وقت ہی تعلیم کی جتنی محتاج ہے وہ عالم پہ ہویدا۔ نہیں محتاج بیان

عزت۔ آسودگی اور ملت و مذہب اُن کا ہو نہ تعلیم۔ تو ہیں سب کوئی دن کے مہماں

پھر نہ قدر اُن کی کچھ آنکھوں میں خلایق کی بلند اور نہ وزن اُنکا ترازو میں حکومت کی گراں

آسماں جاہ پہ برکت ہو خدا کی جس نے درد کا جان لیا اُن کے کہ یہ ہے درماں

مدرسے قوم کے اس مُلک میں جو ہیں ممتاز جن میں کچھ کچھ نظر آتے ہیں ترقی کے نشان

اُن کی امداد سے نواب نے کی ہی قائم چشمِ عالم میں مسیحائی پہ اپنی بُرہان

کرتے ہیں زندۂ جاوید بنی نوع کو۔ جو بذل کرتے ہیں پے تربیتِ اہلِ زماں

ہے مدارس کی اعانت وہ نکوئی جس کا ملک پر۔ قوم پہ تا دیر رہے گا احسان

یہی بخشش ہی یہی جود ہی راسُ الحسنات جس پہ موقوف ہی بہبودیٔ نسلِ انسان

یہی امداد ہی جس سے ہوئیں قومیں سرسبز یہی تدبیر ہے جس سے ہوئے ملک آبادان

یہی قوّت ہی کہ ہوتے ہیں قوی جس سے ضعیف یہی حکمت ہی کہ ہوتے ہیں سبک جس سے گراں

دی لگا ایک نے پانی کی سرِ راہ سبیل کی ہمیشہ کے لئے ایک نے واں نہر رواں

اِسکی خواہش تھی کہ ہوتے رہیں پیاسے سیراب اُس نے چاہا کہ رہی پیاس کا باقی نہ نشان

برکتیں علم کی جو ملک میں پھیلاتے ہیں نہر جاری سی ہے ذات انکی ہمہ فیض رساں

بخت اس ملک کے جس ملک میں ایسا ہو وزیر حامیٔ علم و خریدار کمالِ انسان

اب خدا سے یہ دعا ہے کہ جہانیں جبتک شکر احسان کا کرتے رہیں بعد از احسان

آسمان جاہ سے ہو تقویتِ ملکِ دکن اور رہی ملکِ دکن ملجا و ماوائے جہاں

تہنیت ولادتِ فرزندِ ارجمند در شبستانِ اقبال جنابِ نواب سر آسمان جاہ بہادر مدار المہام سرکارِ عالی

مرتبہ سنہ ۱۳۰۸ھ

فیضِ ربِ ذوالمنن سے مژدہ ای اہلِ دکن — نائبِ دولت کا نخلِ آرزو لایا ثمر

دی بشیرِ دولت و دیں کو وہ چیز اللہ نے — جس سے پایا دیدۂ یعقوب نے نورِ بصر

جسکو پیری کا عصا سمجھا خلیل اللہ نے — حق نے دی جسکے عطا ہونے کی سارا کو خبر

جسکے ملنے سی ہوا داؤد ممنونِ قضا — جسکے پانے سے ہوا ایوب مرہونِ قدر

جسکے بدلے میں علی الرغم شماتت پیشگان — حق سے ختم الانبیا نے پائے شبیر و شبر

جو بضاعت ہی گدا کی اور دولت شاہ کی — جو ہے حاصل عمر کا اور زندگانی کا ثمر

جس سے مستغنی ولی ہیں اور نہ عارف بے نیاز — جس سے ہیں اجداد زندہ اور اماجد نامور

صدرِ اعظم کو دیا صد شکر خالق نے خلف — خلق کی آخر دعاؤں کا ہوا ظاہر اثر

یہ پسر یارب بحقِ عترتِ خیر الورٰی — پائے عمرِ خضر زیرِ سایۂ مہرِ پدر

صدرِ اعظم کی طرح دربارِ آصفجاہ میں — جایگاہِ قربِ سلطانی ہو اس کا مستقر

دولت و ثروت کو اسکی ذات سے لگ جائے شان — زیورِ علم و ادب سے ہو مجلّٰی اس قدر

سیرت و عادت میں اسکی نکلے آن اجداد کی — جوہرِ اخلاقِ فاروقی[1] ہوں اس میں جلوہ گر

---

[1] اس میں یہ اشارہ ہے کہ نواب سر آسمان جاہ بہادر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اولاد میں ہیں ۱۲-

مالک آصف جاہ ہیں سر آسمان جاہ اور وہ رات دن رکھیں اُجالا صورتِ شمس و قمر

قطعہ مرتبہ ۱۳۰۹ھ ہجری بمقام حیدر آباد

۱۳۰۹ھ ہجری میں جو راقم اور مولینا محمد شبلی نعمانی اور دیگر بزرگانِ قوم آنریبل ڈاکٹر سر سید احمد خاں بہادر کے ہمراہ علیگڈھ محمڈن کالج کی طرف سے بطور ڈیپوٹیشن کے حیدر آباد دکن میں بحضور سرکارِ عالی نظام حاضر ہوئے تھے اس موقع پر ایک عام جلسہ بصدارت نواب وقار الامرا بہادر بشیر باغ میں منعقد ہوا تھا۔ جس میں راقم نے اور مولانا محمد شبلی اور بعض اور صاحبوں نے کچھ نظمیں سرکار عالی کے شکریہ میں پڑھیں تھیں جلسہ کے بعد جناب صدر انجمن نے مجھ کو اور مولانا محمد شبلی کو خاص طور پر ہماری نظمیں دوبارہ سننے کے لئے دولت خانہ پر طلب فرمایا تھا وہاں اپنی نظم پڑھنے سے پہلے یہ قطعہ جو اس وقت موزوں کیا گیا تھا راقم نے پڑھا تھا۔

(حالی)

یاں بلا کر دی ہے جو عزت ہمیں سرکار نے — اوّل اُسکا شکر کرتے ہیں ادا اور بعد ازیں
خدمتِ والا میں ہیں اک عرض کرنی چاہتے — عرض کرنے کی اجازت ہو اگر اپنے تئیں
شاعری جسکو سمجھتے ہیں کمال ابنائے دھر — جو لیاقت اسمیں ہے درکار وہ ہم میں نہیں
شکر کرنا تھا ہمیں سرکارِ عالی کا ضرور — چند نظمیں انجمن میں اس لئے ہمنے پڑھیں
کر چکی ہے کوشش ان نظموں کے لکھنے میں بہت — اور جگہ انگشت رکھنے کی نہیں چھوڑی کہیں
رہ گیا پر جسے اس کوشش میں باقی اک قصور — در گذر فرمائیں گے سرکار اس سے ہے یقیں

اور تو کچھ خوبیاں شاید ملیں ان میں۔ مگر
جھوٹ۔ جو اشعار کا زیور ہے وہ انمیں نہیں

قطعہ در شکرِ اضافۂ وظیفہ بہ پیشگاہ جناب سر آسمان جاہ بہادر

مرتبہ ۱۳۰۹ھ بمقام حیدرآباد

اے بشیرِ دولت و دیں نائبِ شاہِ دکن — اے مہاتِ دکن کا ذات پہ تیری مدار
مجھ پہ فرمایا ہے جو لطف و کرم سرکار نے — شکر اس کا کر نہیں سکتا ادا میں زینہار
جو کہ ہوتے ہیں جہاں میں بہرہ ور مقصود سے — پہلے ہو لیتے ہیں صدہا مشکلوں سے دو چار
کوئی دنیا میں نہیں ہوتی بغیر اسکے فتوح — ہے اسی پر کامیابی کا زمانے کی مدار
پر ملا مقصود جب حالی کو اس در سے ملا — بے تردد بے تذلل بے طلب بے انتظار
قدردانی گر زمانہ میں یونہیں ہو جائے عام — پائیں بے مانگے مرادیں اپنی سب امیدوار
یارب اس سرکار کو ہے جس سے عالم فیضیاب — جب تلک دنیا رہے دنیا میں رکھیو برقرار

صدائے گدایانِ قوم

پنجاب کی ایک اسلامی انجمن کی طرف سے چند باہمت اصحاب نے جنہوں نے اپنی جماعت کا نام گدایانِ قوم رکھا ہے ریاست بہاولپور میں چندہ وصول کرنیکے لئے جانے کا ارادہ کیا تھا۔ اُن کا مقصد رئیس کے حضور میں یہ اشعار پڑھنے کا تھا۔ لیکن غالباً اُن کا جانا نہیں ہوا۔

(حالی)

ڈھونڈھنے خضرِ مبارک پے کو یاں آئے ہیں ہم
چھوڑ کر بھٹکا ہوا اک کارواں آئے ہیں ہم

ڈر ہے جو خوشدل ہیں وہ سنکر نہوں پژمردہ دل
سخت عبرت خیز لیکر داستاں آئے ہیں ہم

ہند میں اسلام کا پھولا پھلا تھا جو چمن
لیکے اُس کا مُردہ فصلِ خزاں آئے ہیں ہم

علم جو زندہ کیا تھا آپ کے اجداد[۱] نے
آج اُس در پر اُسی کے نوحہ خواں آئے ہیں ہم

قوم کھو بیٹھی ہے جو عباسیوں کی یادگار
جستجو میں اسکی مشعل لے کے یاں آئے ہیں ہم

تا کہ ہو معلوم سب کو قوم کی حالت ہے کیا
اسلیئے ڈالے گلے میں جھولیاں آئے ہیں ہم

خود غرض ٹھہرائیں یا مکار ہمکو یا گدا
ذلتیں یہ کر کے سب خاطر نشاں آئے ہیں ہم

فخر سب بیجا ہیں اُن کے قوم ہے جنکی ذلیل
فخر و عزت سے مٹا کر سب نشاں آئے ہیں ہم

ہے بنی ہاشم کی مہماں پروری ضرب المثل
اس لئے یاں بن بلائے میہماں آئے ہیں ہم

تشنگی اپنی بجھائی ہوگی اے آبِ حیات
لے کے منہ میں قوم کی سوکھی زباں آئے ہیں ہم

---

[۱] چونکہ رئیس بہاولپور بنی عباس میں سے ہیں اور عباسیوں کی خلافت میں علم کو بہت ترقی ہوئی تھی اس لئے یہ مضمون اس طرح ادا کیا گیا ۱۲

مژدہ قدوم حضور شاہزادہ ویلز در ہندوستان

مژدہ ہو اہلِ مشرق اب دن پھرے تمھارے
مغرب سے سوئے مشرق آیا ہے مہرِ تاباں

گلہ کی اپنے لینے آیا خبر کہاں سے
ہے ایسے گلہ باں پر گلہ کی جان قرباں

ہندوستان بھی تجھ سے کچھ آجکل نہیں کم
اے معدنِ بزرگی اے خاکِ انگلستان

تیرے نصیب کا تو کیا پوچھنا ہے - لیکن
ہندی بھی ان دنوں ہیں قسمت پہ اپنی نازاں

مہمان ہے آج ان کا اس شاہ کا ولیعہد
روئے زمیں کے سلطان جسکے ہوئے ہیں مہمان

آخری سہارا

یہ اشعار ایک انگریزی نظم کا ترجمہ ہیں

وہ دل رُبا امیدیں جن پر کہ تو ہے شیدا
جب دُور تیرے دل سے ہو جائینگی سراپا

وہ عالمِ جوانی جس پر کہ تو ہے مفتوں
جائیگا ٹوٹ جس دم اُس کا طلسم سارا

جن دوستوں کی خاطر چھوڑا ہے تونے اُسکو
تھا جو کہ تجھکو اپنا آرامِ دل سمجھتا

چل دینگے جب وہ سارے - اُن بلبلوں کی مانند
بعد از بہار جو رُخ کرتیں نہیں چمن کا

جب ہو چکے گا آخر یہ عیش کا زمانہ
کون آکے دیگا تجھ کو اُسکے سوا سہارا

بے مہروں سے تونے جسکو کیا ہے غمگین
تیری خبر وہی کچھ لے گا تو آکے لے گا

جس طرح وہ پرندہ جو فصلِ گُل میں جا کر
پھر موسمِ خزاں میں آکر ہے ہم سے ملتا
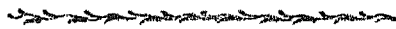
ترغیبِ امدادِ یتیمان

(منقول از رسالہ "علیگڈھ منتھلی")

یہ قطعہ مولانا نے "انجمن مویدالاسلام" دھلی کے ایک جلسہ میں پڑھا تھا۔

(اسماعیل)

اسلام بہت دن سے یہ کرتا تھا منادی — "اے غافلو! اے بے خبرو! ہوش میں آؤ

فارغ غمِ اُمت سے اور اسلام کا دعویٰ — دنیا کو بس اب دین پہ اپنے نہ ہنساؤ

گو دین کی صورت ہو۔ پہ سیرت نہیں اسکی — یہ دین ہی یا دین کا ہے سانگ۔ بتاؤ؟

مقبول نہ حج ہیں۔ نہ نمازیں ہیں نہ روزے — جب تک غمِ اُمت میں نہ جان اپنی گھلاؤ

دعویٰ نہیں مسموع شہادت نہ ہو جب تک — ہے دین کا دعویٰ۔ تو شہادت کوئی لاؤ

گر اپنے یتیموں کی خبر لے نہیں سکتے — تو دین سے تم قطعِ تعلق کرو جاؤ

اعضا تو نمازوں میں بہت تم نے دکھائے — دل کو بھی کبھی ہاتھ سے کچھ دے کے دکھاؤ

دنیا میں جراحت ہے یہی عقبیٰ میں ہے راحت — کل پھل کوئی کھانا ہے تو زخم آج اٹھاؤ

یہ قوم کے بچے جو پڑے پھرتے ہیں بیکس — یہ پود ہے میری اسے دیکھو نہ گنواؤ

شیریں ہے پھل ان پودوں کا اور سایہ ہے گھن کا — سیوا کرو ان کی۔ انہیں پروان چڑھاؤ

دیکھو نہ حقارت سے پھٹے کپڑوں کو ان کے — ان گدڑیوں میں جو لعل کہ گم ہیں انہیں پاؤ

سنولائے ہوئے چہروں میں نور انکے ہے تاباں — ان کوئلوں کو ہیرے بنا دے کے بتاؤ؟

ہیں ان میں فقیہ۔ انہیں حکیم۔ ان میں محدث — ان کی بری حالت پہ بری گت پہ نہ جاؤ

جو ان میں ہیں جوہر کہیں زنگ ان کو نہ کھا جائے — گن دیکھنے ہیں انکے تو زنگ ان کا چھڑاؤ

افواجِ مخالف ہیں تگ و دو میں بہت رات دن — رُند جائیں نہ یہ خاک ہی جلد انکو اٹھاؤ

پھرتے ہیں بہت گھات میں یہاں انکے شکاری — ان یتیموں کو موت کے چنگل سے بچاؤ

اُمت کے یتیموں کو ہو انجیل کی تعلیم — اور اپنی تم اولاد کو قرآن پڑھاؤ
تثلیث کی پاتے ہوئے دیکھو انہیں تلقین — اور اپنے جگر گوشوں کو توحید سکھاؤ
گرجا میں حریف انکو سکھائیں میری توہین — اور کان نہ توہین پہ تم میری ہلاؤ
جن بچوں کو بیٹوں کی طرح چاہیئے رکھنا — ہاتھ آئیں تمہارے تو غلام انکو بناؤ
کھانے کی بھی کپڑے کی بھی لیں انکی خبر گیر — اور تم نہ کبھی بھول کے آنکھ اُن سے ملاؤ
اپنا نہیں وہ جان کے گر راہ میں کھٹکیں — تم غیروں کی مانند گزر پاس سے جاؤ
اسلامیو ایسے بھی ہیں آخر یہ کہاں تک — جو منہ کو تمہارے تکیں آنکھ اُن سے چراؤ
بے کس نہ گنو ان کو یہ کنبا ہے خدا کا — تم پھیر کے منہ ان سے خدا کو نہ رُٹھاؤ
عبرت کی جگہ ہے۔ ڈرو گردش سے فلک کی — اولاد کو اپنی نظرِ بد سے بچاؤ
بن باپ کا بنتے ہوئے لگتی نہیں کچھ دیر — غیرت کو لیں اللہ کی حرکت میں نہ لاؤ
اُمت میں ہو تم اُسکی جو اُمت پہ فدا تھا — لو تم بھی عزیزو! اسی اُمت سے لگاؤ
وہ جیسا غریبوں کا۔ یتیموں کا تھا عاشق — تم بھی انہیں آنکھوں پہ اسی طرح بٹھاؤ
جو خلق تھا ہر بے کس و ناچار سے اُس کا — اخلاق میں کچھ اُس کی جھلک تم بھی دکھاؤ
کُڑھتا تھا وہ جس طرح مصیبت پہ ہر اک کی — جی تم بھی مصیبت پہ یونہیں سب کی کڑھاؤ
ٹوٹے ہوئے دل ہیں یہ گذرگاہ خدا کی — ملنا ہو خدا سے تو اسی راہ سے جاؤ"

مدت سے یہ تھا دے رہا اسلام دہائی — اور کہتی تھی غفلت "نہ ادھر کان لگاؤ"
بارے سُنی احباب نے اسلام کی آواز — اور مل کے کیا عہد۔ کہ "کچھ کرکے دکھاؤ"
جو مست غفلت ہیں پڑے اُن کو جھنجھوڑو — اور نیند کے متوالے ہیں جو۔ اُن کو جگاؤ
کہنے کو جو روزے نمازوں پہ ہیں اپنے — اسلام کی فریاد انہیں چل کے سناؤ

بن باپ کے بچوں کے ہیں ٹوٹے ہوئے جو دل — کعبہ کی طرح گرد طواف اُن کے کراؤ
امداد پہ اُن کی۔ کرو کل قوم کو مجبور — دل دُکھتے اگر اِس میں کسی کا۔ تو دکھاؤ
قایم کرو ایک انجمن اخوانِ صفا کی — اور بیڑا یتیموں کی حمایت کا اٹھاؤ

صد شکر۔ ہوئیں کوششیں احباب کی مشکور — پھل دیکھنے نیت کی ہوں گر اُن کی تو آؤ
فیاضیاں جو قوم کے غمخواروں نے کی ہیں — دیکھو اُنہیں۔ اور بھائیوں کو جا کے سناؤ
باقی ہیں ابھی قوم میں کچھ قوم کے غمخوار — اِس شکر میں تم حمدِ خداوند کی گاؤ
اِس وقت۔ کہ نازک ہے بہت قوم پہ یہ وقت — جو قوم کا غمخوار ہو خیر اُس کی مناؤ
ہے چار طرف قوم میں اب نفسی ہی نفسی — لو اُس کے قدم۔ خود غرضی جس میں نہ پاؤ
رحمت ہے خدا کی۔ یہ عزیزوں کی جماعت — پر۔ اس کی خوشی میں ابھی بغلیں نہ بجاؤ
ڈُبے قوم سہارا تو یہ ہے "نوح کی کشتی" — پر قوم نہ کھیوے تو یہ کاغذ کی ہے ناؤ
سر چشمہ سے ہوتی نہیں پانی کی جب آمد — دم بھر میں اتر جاتا ہے دریا کا چڑھاؤ
جو تی ہے یہ۔ یاروں نے بھروسہ پہ تمہارے — کیونکر چلے؟ جب تم ہی یہ گاڑی نہ چلاؤ
ہیں قوم کی غفلت نے بہت کھیل بگاڑے — تم اُس کے جہاں چاہو نشاں دیکھ لو جاؤ
یاروں کو ابھی کام بہت کرنے ہیں باقی — دو اُن کو مدد کام میں اور ہاتھ بٹاؤ
مجلس کہیں جی چھوڑ نہ دے۔ ہو کے ہراساں — اِس ناؤ کو جس طرح بنے پار لگاؤ
دو چار کے۔ دس پانچ کے بس کا نہیں یہ کام — سر جوڑ کے اِس کام میں سب زور لگاؤ

گو کام ہے دشوار۔ پہ مردوں کو ہے آساں
کرنا ہے اگر اِس کام کو پورا۔ کئے جاؤ

شہر حیدر آباد

پانی دیتا ہے کوئی۔ پَود لگاتا ہے کوئی
پھول چنتا ہے کوئی آکے۔ کوئی برگ و ثمر

آکے کرتا ہے چمن میں۔ کوئی آئینہ بندی
تاکہ ہو سیرِ چمن سے نہ کبھی سیرِ نظر

کرتے ہیں "علمِ نباتات" کی بعضے تحقیق
تاکہ تحقیق سے ہو ان کی۔ فزوں علمِ بشر

الغرض باغ میں ہیں وارد و صادر جتنے
ایک سے ایک کی ہیں مختلف اغراض۔ مگر

صحنِ گلشن میں کسی کام کو آئے کوئی
جائے گا بوئے ریاحین سے معطّر ہو کر

حیدر آباد بھی اک باغ ہے ماشاء اللہ
ہے جہاں فیض کا دروازہ کشادہ سب پر

تہنیتِ مسند نشینی حضور نظام

(منقول از "روزنامہ زمیندار" جلد ۲ نمبر ۳۵ مورخہ ۲۴ ستمبر ۱۹۱۱ء)

۱۹۱۱ء میں جب اعلیٰحضرت نظام الملک آصفجاہ ہفتم میر عثمان علیخاں بہادر خلد اللہ ملکہٗ تخت نشین ہوئے تو روزنامہ "زمیندار" لاہور نے اس موقع پر اپنا ایک خاص نمبر شائع کیا تھا اور اس کے لئے مولانا سے بھی ایک نظم حضور نظام کی مسند نشینی کے متعلق لکھنے کی فرمایش کی تھی جواباً مولانا نے یہ قطعہ لکھ بھیجا تھا (اسماعیل)

فلک مرتبت میر عثمان علیخاں — مبارک تمھیں مسندِ شہریاری
مبارک اب و جد کی تم کو خلافت — مبارک دکن کی تمھیں تاجداری
مبارک تمھیں ملک کی گلہ بانی — مبارک رعیت کی خدمت گزاری
مبارک ہو تم کو وہ دشوار منزل — جہاں چپہ چپہ پہ ہے ذمہ داری
مبارک وہ منصب کہ جنکو ملا وہ — ہوا چین رخصت فراغت سدھاری
مبارک بزرگوں کی میراث تم کو — جنھوں نے کہ جھیلیں ہیں کڑیاں ہی ساری
ارادوں سے جرأت سے ہمت سے جنکی — زمانے نے بھی بارہا شرط ہاری
ہوئے ہیں جن کی تاریخ رنگیں — زبانوں پہ ہے ذکر خیر ان کا جاری
ادا کر گئے وہ تو اپنے فرایض — ہے اب آپ کے عہدِ دولت کی باری
اب ان کی جگہ آپ کو ہے اٹھانا — خدا کی امانت کا یہ بوجھ بھاری
جو بے بس ہیں دینا ہے انکو سہارا — جو بے یار ہیں ان کی کرنی ہے یاری
نکمے ہیں جو ان کو کامی بنانا — بڑھانا دل انکا جو ہیں کار باری
جگانا انھیں نیند سے جو ہیں ماتے — پڑھانا انہیں علم سے جو ہیں عاری
جو زردار ہیں ان کی ہے پاسبانی — جو نادار ہیں ان کی حاجت براری

جو سرزور ہیں اُن کی ہے گوشمالی | جو مظلوم ہیں اُن کی ہے غمگساری
بڑوں نے تھا عہدِ وفا جن سے باندھا | سدا کرنی اُس عہد کی پاسداری
سمجھنا ہر اک قوم و ملت کو یکساں | کہ خصلت ہے یہ زیورِ شہریاری
مبارک یہ بارِ گراں تم کو شاہا | اُٹھانے سے ہیں جس کے افلاک عاری
بہت مشکلوں کا ہے گو سامنا یہاں | کہ بہتوں نے یہاں آکے ہمت ہی ہاری
مگر مشکلیں ہیں یہ سب اُن کو آساں | پڑی جن کی گھٹی میں ہے ملک داری
پلے جو ہیں آغوش میں سلطنت کی | سیاست ہے جن کی رگ و پے میں ساری
یہ اُمید ہے آصفِ ہفتمیں سے | ریاست کی حل مشکلیں ہونگی ساری
رہے گا اسی طرح جیسے رہا ہے | دکن پر سدا سایۂ فضلِ باری
دُعاگوئے دیرینہ ناچیز حالی | کہ مدحت گری کے ہنر سے ہے عاری
دُعا کے سوا کچھ نہیں پاس اُسکے | ادا جس سے ہو فرضِ مدحت نگاری
الٰہی طفیل اُس کا۔ پھیلائی جس نے | خلائق میں توحید و پرہیزگاری
منادی نے تعلیم نے۔ جس کی آکر | زمانے کی بگڑی ہوئی کل سنواری
طفیل اُس کا فرمانروائے دکن کی | حکومت کو ہے غیب سے استواری

رہے رہتی دُنیا تلک وہ سلامت
بہ اقبال و فیروزی و کامگاری

حاضرینِ کانفرنس سے خطاب

اے خاصگانِ ملت و اے یاورانِ قوم
اے زمرۂ معارف و اے طبقۂ کرام

بندھتی ہے بہتری کی تمھیں دیکھ کر امید
ورنہ دلوں پہ چھائی ہیں مایوسیاں تمام

تم آکے مردہ قوم میں دیتے ہو جان ڈال
ورنہ تمام اس کا بس اب ہو چکا ہے کام

قومی خوشی کے ہیں یہی گویا کہ چار دِن
پھر سال بھر وہی غم و اندوہ صبح و شام

جن جوش ہیں کہ آتے ہو یاں دور دور سے
گر سال بھر رہے یونہیں اس جوش کو قیام

پھر جائیں دن یقین ہے بہت جلد قوم کے
پا جائیں جلد قوم کے سب زخم التیام

دعوے یہ حُبِ قوم کے سب بے دلیل ہیں
جبتک نہ کرکے ہاتھ سے دکھلاؤ کوئی کام

میلا نہ سمجھو۔ قومی جلسہ ہے دوستو!
آنا ہے دل لگی کی غرض سے جہاں حرام

سید کو دو سہارا کہ غفلت سے قوم کی
ابتک پڑے ہیں کام بہت اس کے ناتمام

سر اپنے دھر لیا ہے اُسے ایک فرد نے
ہے یارو چھ کروڑ کے کرنے کا جو کہ کام

انصاف سے بعید ہے ساتھ اُسکا چھوڑنا
گھلتا تمھاری فکر میں ہے جو کہ صبح و شام

خواہش ہے جسکی یہ کہ ہو دُنیا میں تم عزیز
جو چاہتا ہے یہ کہ رہو تم با احترام

عزت تمھاری دیکھ کے بڑھتا ہے جسکا خون
جو تم کو شاد دیکھ کے ہوتا ہے شادکام

خدمت میں قوم کی جسے کافر لقب ملا
پُشتی میں پایا دین کی بے دین جس نے نام

پر پھر سے اُس کے قوم کا سودا نہ کم ہوا
سب کچھ سُنا۔ پہ کام کا چھوڑا نہ التزام

بڑھتا گیا دم اُسکا۔ ہوئی جس قدر لتاڑ
کوڑے تھے حق میں اسکے وہ سب طعنہ و ملام

ہے ایک چراغ آخرِ شب ٹمٹما رہا
یہ بجھ گیا تو بزم ہے تاریک پھر تمام

ایسا نمونہ جبکہ ہو آنکھوں کے سامنے
پھر حیف ہے کہ ہو نہ سکے تم سے کوئی کام

کرنا ہے کچھ تو کرلو۔ کہ باقی ہے وقت ابھی
پھر آگئے دانت پیٹنے کے دن ہیں السلام

قوم کی طرف سے حضورِ نظام کا شکریہ

پڑا اک میدان[1] تھا سنسان وحشت جس پہ تھی چھائی
نہ سایہ تھا درختوں کا نہ یہ پانی کی رسائی

مکیں ہوتا اگر کوئی - تو یہاں کوئی مکاں ہوتا
پڑے تھے کچھ کھنڈر - جن پر بھی تھی جابجا کائی

خبر کس کو تھی برپا ہوگا ایک دار العلوم اس جا
زمیں پر جسکو حسرت سے تکے گا چرخِ مینائی

جسے دیکھیں گے اعیانِ ملوک آ کر تمنا سے
جہاں آفاق سے سیکھیں گے آ کر علم و دانائی

یہ تھی امید کس کو؟ پر خدا نے اپنی قدرت کا
دیا جلوہ دکھا - ہے جس کا اک عالم تماشائی

نہ تھی خود قوم راضی اور مخالف اک زمانہ تھا
گھٹا مایوسیوں کی بانیوں کے دل پہ تھی چھائی

مگر سید کے استقلال نے منوا دیا سب کو
کہ ہمت ہو تو ہو جاتا ہے استقلال سے ائی

رعیت نے مدد کی - سلطنت نے سرپرستی کی
بہت جلد اپنی نادانی سے آخر قوم پچھتائی

مگر سچ پوچھیے تو قالب بے روح تھا کالج
نہ کی ہوتی اگر سرکارِ عالی نے مسیحائی

جب آئی پیش مشکل جب پڑا کالج پہ وقت آ کر
مدد پر کی مدد - امداد پر امداد فرمائی

رہے گا قوم میں تعلیم کا باقی نشاں جب تک
رہیں گے شکرِ آصف جاہ میں رطب اللساں تب تک

---

[1] یعنی وہ قطعۂ زمین جس پر اب علیگڑھ کالج کی شاندار عمارتیں بنی ہوئی ہیں ۱۲ - اسماعیل

علیگڑھ کالج کیا سکھاتا ہے؟

یہ کالج قوم کو آپ اپنے بل چلنا سکھاتا ہے
سہارا غیر کا چھوڑیں یہ ایک ایک کو سمجھاتا ہے
نہ چھوڑیں دین کا دامن رہیں دنیا میں عزت سے
سبق سب قوم کے بچوں کو یہ دونو پڑھاتا ہے
نہیں پاتا کبھی عزت کی خواہش سے کوئی عزت
معزز کس طرح بنتے ہیں؟ گر اس کے بتاتا ہے
خدا نے کر دیا ہے حکمراں جس قوم کو ہم پر
خلوص اور دوستی اس قوم کی دل میں بٹھاتا ہے
رعیت کو برابر حق دیے ہیں جو حکومت نے
طلب سے پہلے انکا مستحق بننا بتاتا ہے
زمانہ قوم نے غفلت میں جو پہلے گزارا ہے
ڈراونی صورتوں میں بار بار اس کو دکھاتا ہے
یہ باہم مذہبی فرقوں کو ہے شیر و شکر کرتا
یہ روٹھوں کو مناتا ہے یہ بچھڑوں کو ملاتا ہے
کھلاتا ہے یہ کھانا ایک دسترخوان پر سب کو
نمازیں پنجگانہ ایک مسجد میں پڑھاتا ہے
وفا کا بیج بوتا ہے تعصب دل سے کھوتا ہے
مسلمانوں کو گڈ سبجکٹ[1] بننا یہ سکھاتا ہے

نہ چھوڑے گا یہ باقی قوم میں دیکھے گا جو خامی
خدا کی برکتیں ان پر جو اس کالج کے ہیں حامی

شکریہ مسٹر برور

مسٹر برور کرنال میں سپرنٹنڈنٹ پولیس تھے۔ نیک بھی تھے اور خوش اخلاق بھی۔ کرنال سے تبدیلی کے وقت منشی عبدالمجید صاحب ڈپٹی انسپکٹر پولیس نے مولانا سے یہ نظم لکھوا کر مسٹر موصوف کے حضور میں پڑھی تھی۔ (اسماعیل)

سچ ہے کیا نہ شکر بشر جس نے آشکار
اس نے کیا نہ شکر خدا و ند کردگار
ہم شکر کس زباں سے کریں آپکا ادا
احسان ہم پہ آپ کے ہیں خارج از شمار

---

[1] گڈ سبجکٹ Good Subject. یعنی اچھی رعایا ۱۲ اسماعیل

کی یہاں حکومت آپ نے دس سال جس طرح — بھولیں گے وہ کبھی نہ سپاہی نہ عہدہ دار
انیسویں صدی کے یہ دس آخری برس — اس ضلع میں رہیں گے ہمیشہ کو یادگار
جو ہے اُسے قلق ہے جُدائی کا آپ کی — نوکر ہیں مضطرب۔ تو رعیت ہے بیقرار
تھی آرزو۔ لگے رہیں قدموں سے آپ کے — پورا ہو جب تلک کہ یہ انفاس کا شمار
لیکن خوشی کے ساتھ۔ ہے غم بھی لگا ہوا — دُکھ جیسے سُکھ کے ساتھ ہے اور گُل کے ساتھ خار
آ پہنچی وہ گھڑی کہ ہم آئے حضور میں — آج آخری سلام کو با چشم اشکبار
اس وقت کہ جو دل پہ ہے حالت گذر رہی — لفظوں میں عرض ہو نہیں سکتی وہ زینہار
ہے حق سے یہ دُعا کہ بھلائی کا تخم یہاں — جو بو چلے ہیں آپ۔ وہ ہو نخلِ باروار

پرور نے جس طرح کہ خلایق کو خوش رکھا
خالق اُسے بھی رکھے سدا شاد و کامگار

مسٹر مارلین کی روانگی ولایت

مسٹر تھیوڈور مارلین ۱۸۸۹ء میں علیگڈھ کالج کے سٹاف میں شامل ہوئے تھے۔ دس سال کے بعد ۱۸۹۹ء میں مسٹر بیک کے انتقال پر پرنسپل ہو گئے۔ بہ حیثیت پروفیسر اور بحالت پرنسپل انھوں نے مسلمانوں کی جو تعلیمی خدمات انجام دی ہیں وہ علیگڈھ کالج کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہیں گی۔ ۱۹۰۵ء میں جب موصوف اپنی بعض خانگی ضروریات کے لئے مستعفی ہو کر ولایت تشریف لے جانے لگے تو ایک الوداعی پارٹی میں مولانا نے یہ نظم پڑھی تھی۔ (اسماعیل)

ہم سے ہوتے ہیں جُدا اب آنریبل مارلن — چھینتا ہے اُن کو ہم سے جذبۂ حُبِّ وطن
سایہ اپنا سر سے کالج کے اُٹھانے کو ہیں وہ — جن کے سر پہ تھے ہما کی طرح وہ سایہ فگن
تھی نہ کالج کے ہوا خواہوں کو یہ ہرگز اُمید — چھوڑ جائیں گے وہ یوں پھولا پھلا اپنا چمن

کیا خبر تھی ہم کو، یاد آئے گا اپنا جبکہ دیس
بھول جائیں گے انہیں پردیس کے سارے سجن

چھوڑ کر بیڑا مسلمانوں کا یوں منجدھار میں
راہ لی تم نے سمندر پار کی اے مارسن

تم نے پوری کر کے آنکھوں سے دکھا دی وہ مثل
وہ جو ہے مشہور "کر نیکی دور دور پا ڈگن"

چاہئے تھا دیکھتے اپنے چمن کی اب بہار
جس کی پہنچی ہے مہک شیراز سے لے تا دکن

پرورش میں تم نے جس بچے کی کاٹے بیس سال
دیکھنی تھی اب تمہیں اس کی جوانی کی پھبن

تم نے باندھی تھی کمر جس قوم کی تعلیم پر
شاد ہوتے دیکھ کر اُن میں کمالِ علم و فن

پر لگاتے اور ہیں یہاں پودا، پھل کھاتے ہیں اور
نوعِ انساں میں چلی آتی ہے یہ رسمِ کہن

ہے تمہارے جانشینوں کے لئے اب یہ وصیت
کٹ گئیں اس راہ میں یقیں منزلیں جتنی کٹھن

تم نے کی کالج کی خدمت جس خلوص و صدق سے
بس یہی خدمت تمہارا ہے صلہ اے مارسن

ہے صلہ نیکی کا خود نیکی، کہ دل سوزی کا اجر
شمع نے پھر پایا روشن ہو گئی جب انجمن

گو کہ یہاں تعلیم کا بویا تھا سرسید نے بیج
پر پھلا پھولا تمہاری سعی سے اس کا چمن

جیسے پھیلایا مقدس پال نے دینِ مسیح
تم نے اور بک نے یونہیں پھیلایا سید کا مشن

تم نے سرسید کی جو اصلاح میں حصہ لیا
قوم کی سنت ادا کی ہے یہ تم نے بے سخن

تم زمیں کے ہو نمک، مصلح ہو تم اقوام کے
ہے تمہاری قوم کی خصلت یہ مشہورِ زمن

نوعِ انساں کی مدد کرنا تمہارا ہے شعار
تقویت دینا ضعیفوں کو تمہارا ہے چلن

مارسن اور مارسن بیگم نے ثابت کر دیا
خیر کے پتلے ہیں انگلش قوم کے سب مرد و زن

نیک دل بانو بھی کالج کی مربی تھی یونہیں
جس طرح شوہر کے دل کو بھی لگی اس کی لگن

اب دعا یہ ہے کہ آپ اور آپ کے اہل و عیال
سایۂ افضالِ ربانی میں پہنچیں تا وطن

رہے ہر منزل میں توفیقِ الٰہی ساتھ ساتھ
حافظ و ناصر تمہارا ہو خدائے ذو المنن

خطاب "حاذق الملک"

(منقول از "علیگڈھ انسٹیٹیوٹ گزٹ" مورخہ ۱۵ جنوری ۱۹۰۸ء)

۱۹۰۸ء کے شروع میں جب حکیم محمد اجمل خاں صاحب کو گورنمنٹ نے "حاذق الملک" کا خطاب مرحمت فرمایا تو حکیم صاحب موصوف کو مبارکباد دینے اور گورنمنٹ کا شکریہ ادا کرنے کے لئے ۱۰ جنوری ۱۹۰۸ء کو دہلی کی پبلک کا ایک عظیم الشان جلسہ شہر کے ٹاؤن ہال میں نواب امیر الدین احمد خاں صاحب والی ریاست لوہارو کے زیر صدارت منعقد ہوا تھا۔ مولانا بھی اتفاقاً دہلی میں تشریف رکھنے کے باعث جلسہ میں شریک ہوئے ایک تقریر فرمائی اور آخر میں یہ قطعہ پڑھا۔

(اسماعیل)

حاذق الملک! اس خطابِ فرخ و مسعود پر — ایک عالم آپ کو دیتا مبارکباد ہے
پر یہ ہے کیسی مبارکباد۔ ہم حیران ہیں؟ — گو کہ دل ہر اپنے بیگانے کا اس سے شاد ہے
سعی و کوشش آپنے کی تھی کبھی بہرِ خطاب؟ — یا کوئی درخواست دی تھی آپنے کچھ یاد ہے؟
یہ تو یاروں کی دعاؤں کا ہے بس سارا ظہور — غیب سے یہ اُن دعاؤں کی ہوئی امداد ہے

بس مبارکباد یہ جو دے رہے ہیں خاص و عام
مستحق ہیں اسکے ہم۔ یا آپ۔ کیا ارشاد ہے؟

شکریۂ مساعیٔ جمیلۂ ظفر علی خان

از طرف جملہ مسلمانان

(منقول از روزنامۂ "زمیندار" جلد ۳ نمبر ۱۷۹ مورخہ ۱۰ اگست ۱۹۱۳ء)

۱۹۱۳ء میں جب مسٹر ظفر علیخاں بی۔ اے۔ اڈیٹر و مالک اخبار زمیندار جنگ بلقان کے سلسلہ میں قسطنطنیہ گئے اس وقت اُن کی اسلامی خدمات اور قومی ہمدردی کا بڑا شور تھا۔ عام رائے سے متاثر ہو کر مولانا نے بھی اس وقت اُن کی شان میں کچھ ابیات لکھی تھیں لیکن نظم ناتمام رہی جب وہ واپس ہندوستان آئے اور دہلی میں پہنچے (جہاں اُن کا نہایت پرجوش استقبال کیا گیا) اُس وقت مولانا نے اس نظم کو پورا کیا۔ مولانا کی خواہش تھی کہ خود یہ نظم اُن کے سامنے پڑھیں۔ پانی پت سے اُنہیں دہلی تار دیا گیا کہ لاہور جاتے ہوئے تھوڑی دیر یہاں بھی ٹھہریں مگر نہ تار کا جواب آیا اور نہ مسٹر ظفر علی خاں اُدھر سے گذرے موقع گذر جانے کے بعد مولانا نے یہ نظم دفتر زمیندار میں اشاعت کے لئے بھیجدی تھی۔

(اسماعیل)

اے مالکِ دفتر زمیندار ۔۔۔ اے نازشِ قوم و فخرِ اقراں

اے روحِ روانِ جمعِ احباب ۔۔۔ اے چشم و چراغِ بزمِ اخواں

اے دین کے امتحاں میں جانباز ۔۔۔ اے نصرتِ حق میں تیغِ عُریاں

اے صدق و صفا کی زندہ تصویر ۔۔۔ اے شیر دل۔ اے "ظفر علیخاں"

قدرت نے بھرے تھے تجھ میں جو گُن ۔۔۔ جب تک وہ رہے نظر سے پنہاں

فوقیت و برتری پہ تیری ۔۔۔ قائم کوئی ہوسکی نہ برہاں

پر وقت کی تاک میں برابر ۔۔۔ ہمت تری گن رہی تھی گھڑیاں

بلقان و طرابلس میں ناگاہ　　اُٹھا ستم و جفا کا طوفان
ہمدردیٔ اہلِ دیں نے آخر　　جوہر ترے کر دیے نمایاں
جمعیت و صبر کا سراسر　　دامن ہوا چاک تا گریباں
پھیلے وہ بشکلِ سیلِ آتش　　دل میں ترے جو شرر تھے پنہاں
ڈالا ہے تری پکار نے غُل　　جی اُٹھے وہ مُردے جو تھے بے جاں
جو دل غمِ قوم سے تھے بے حس　　چلنے لگیں اُن دلوں پہ چھریاں
وہ بن گئے آپ اپنے رہزن　　جو مال کے اپنے تھے نگہباں
اسلام کی سمجھے اب حقیقت　　جو نام کے تھے فقط مسلماں
ہاں اس میں نہیں مبالغہ کچھ　　سنتا بھی ہے اسے ظفر علیخاں
نازاں ہے وہ درسگاہ تجھ پر　　تعلیم پہ جس کی تو ہے نازاں
کاش ایسے جنے سدا وہ فرزند　　جو قوم کے درد کے ہوں درماں
سوزِ غمِ دینِ حق سے جن کے　　سینے ہوں کباب دل ہوں بریاں
جو ملک و وطن کے ہوں فدائی　　جو قوم کے نام پہ ہوں قرباں
مشرق میں ہوں دردِ دل سے بے چین　　مغرب میں سنیں جو رنجِ اخواں
پنجاب کو تجھ پہ ہو اگر فخر　　ہے اس کو یہ فخر و ناز و شایاں

زندہ ہے وہ ملک اور وہ ملت
ہوں زندہ دل ایسے جس میں انساں

حصہ اوّل تمام شد

حصّہ دوم

غزلیات

مولانا کی تمام غزلیات تین حصوں میں تقسیم کیجا سکتی ہیں :-

اوّل وہ قدیم غزلیات ہیں جو ایام جوانی یا اُس زمانہ کی تصنیف ہیں جب حالی پر تغیراتِ زمانہ کا اثر نہ پڑا تھا اور جس وقت شاعری صرف کنگھی چوٹی حسن و عشق - ہجر و وصال اور عاشقانہ شکوہ و شکایت وغیرہ مضامین میں ہی منحصر سمجھی جاتی تھی - حالی کی یہ غزلیات بھی زمانہ کی ہوا کے موافق اسی رنگ میں رنگین نظر آتی ہیں -

دوسری قسم کی غزلیات اُس وقت کی ہیں جب زمانہ پلٹنے لگا اور نئی طرز کی شاعری کی داغ بیل پڑنی شروع ہوئی - پرانی شاعری سے طبیعت متنفر ہونے لگی اور رفتار زمانہ کو دیکھکر اس بزرگ حکیم کے دل میں بھی قومی درد اُٹھا جو آخر کار اُس ناصحانہ اور حکیمانہ کلام کا باعث بنا جس سے حالی کی تمام منظوم تصانیف لبریز ہیں - اس زمانہ کی غزلیات سے نصیحت عبرت اور درد ٹپکا پڑتا ہے اور دراصل یہی وہ میدان ہے جس میں حالی نے فاتحانہ انداز سے قدم رکھا ہے - اور جس میں وہ اپنے تمام معاصرین سے نہایت ممتاز نظر آتے ہیں -

اوّل اور دوم دونوں قسم کی غزلیات دیوان حالی میں صاف طور پر علیحدہ علیحدہ نظر آتی ہیں - اور ایک نظر میں معلوم ہو جاتا ہے کہ کونسی غزلیات قدیم ہیں اور کونسی جدید ؟

تیسری قسم کی غزلیات وہ ہیں جو حالی کی بالکل آخری عمر کی تصنیف اور دیوان کے شائع ہونے سے بعد کی ہیں اور جن میں بڑھاپے کی پختہ کاری اعلیٰ درجہ کی قوت فیصلہ۔ ہر معاملہ میں جچی تلی رائے۔ کلام کی خوبی و لطافت۔ اور حسن بیان غرض ہر خوبی نہایت نمایاں نظر آتی ہے۔ اور جن سے اس مشہور مقولہ کی سچائی پورے طور پر ذہن نشین ہو جاتی ہے کہ "شاعر جس قدر ضعیف اور بوڑھا ہوتا جاتا ہے۔ اسی قدر اس کی شاعری پختہ اور جوان ہوتی جاتی ہے"

ہم نے تینوں قسم کی غزلیات میں تمیز کے لئے کچھ اشارات مقرر کر دیئے ہیں۔ جن سے ناظرین سمجھ لیں گے کہ کونسی غزل کس وقت کی تصنیف ہے:

(۱) قدیم غزلیات کے شروع میں حاشیہ پر ق بنا دیا گیا ہے۔

(۲) جدید قسم کی غزلیات چونکہ بہت زیادہ نہیں لہٰذا آسانی کے لحاظ سے ان پر کوئی نشان نہیں لگایا۔ ان کا نشانات سے خالی ہونا ہی ان کے جدید ہونے کی علامت ہے۔

(۳) آخری عمر کی غزلیات پر ا کا نشان بنا دیا گیا ہے۔

ہم تینوں قسم کی غزلیں جُدا جُدا درج کرتے مگر ردیفوں کے سلسلہ کا بھی خیال تھا اور اس صورت میں یہ سلسلہ قائم نہیں رہ سکتا تھا۔ کیونکہ علیحدہ علیحدہ ہر قسم میں اسقدر غزلیں نہیں تھیں کہ وہ تمام ردیفوں پر تقسیم ہو سکتیں لہٰذا مجبوراً تینوں اقسام کی غزلیں ملا جلا کر لکھ دی گئیں۔ اس طرح ردیفوں کا سلسلہ بھی پورا ہو گیا اور ہر غزل پر خاص نشانات لگا دینے سے تمیز میں بھی آسانی ہو گئی

(اسماعیل)

الف

قبضہ ہو دلوں پر کیا اور اس سے سوا تیرا   اک بندۂ نافرماں ہے حمد سرا تیرا

گو سب سے مقدم ہے حق تیرا ادا کرنا ‏ ‏ بندے سے مگر ہوگا حق کیونکہ ادا تیرا؟
محرم بھی ہے ایسا ہی جیسا کہ ہے نامحرم ‏ ‏ کچھ کہہ نہ سکا جس پر یاں بھید کھلا تیرا
جچتا نہیں نظروں میں یاں خلعت سلطانی ‏ ‏ کملی میں مگن اپنی رہتا ہے گدا تیرا
عظمت ترے ہی مانے بن کچھ بن نہیں آتی یاں ‏ ‏ قطعہ ہیں خیرہ و سرکش بھی دم بھرتے سدا تیرا
تو ہی نظر آتا ہے ہر شے پہ محیط اُن کو ‏ ‏ جو رنج و مصیبت میں کرتے ہیں گلا تیرا
نشہ میں وہ احسان کے سرشار ہیں اور بیخود ‏ ‏ جو شکر نہیں کرتے نعمت پہ ادا تیرا
سمجھا ہی پڑے تجکو ادراک کی سرحد سے ‏ ‏ جس قوم نے رکھا ہے انکار روا تیرا
طاعت میں ادب تیرا عصیاں سے ہی گو بڑھ کر ‏ ‏ عصیاں میں ہی طاعت سے اقرار سوا تیرا
آفاق میں پھیلے گی کب تک نہ مہک تیری ‏ ‏ گھر گھر لئے پھرتی ہے پیغام صبا[1] تیرا

ہر بول ترا دل سے ٹکرا کے گذرتا ہے
کچھ رنگ بیاں حالی ہے سب سے جدا تیرا

کامل ہے جو ازل سے وہ ہے کمال تیرا ‏ ‏ باقی ہے جو ابد تک وہ ہے جلال تیرا
ہے عارفوں کو حیرت اور منکروں کو سکتہ ‏ ‏ ہر دل پہ چھا رہا ہے رُعب جمال تیرا
کاوش میں ہے الٰہی دگدا میں ہے طبیعی ‏ ‏ جو حل ہوا نہ ہوگا وہ ہے سوال تیرا
چھوٹے ہوئے ہیں گو جی - پر دل بندھے ہوئے ہیں ‏ ‏ ملنے سے بھی سوا ہے چھٹنا محال تیرا
گو حکم تیرے لاکھوں یاں ٹالتے رہے ہیں ‏ ‏ لیکن ٹلا نہ ہرگز دل سے خیال تیرا
پھندے سے تیرے کیونکر جائے نکل کے کوئی؟ ‏ ‏ پھیلا ہوا ہے ہر سو عالم میں جال تیرا
انکی نظر میں شوکت جچتی نہیں کسی کی ‏ ‏ آنکھوں میں بس رہا ہے جن کی جلال تیرا

---

[1] یہ اشارہ ہے اس حدیث کیطرف "اَلَا اِنَّ لِلّٰہِ نَفَحَاتٍ فِی الدَّھْرِ اَلَا فَتَعَرَّضُوْا لَھَا" یعنی خدا کی خوشبوئیں زمانہ میں پھیلی ہوئی ہیں سو انکا آگا لو اور اُن کو اوپر اوپر نہ جانے دو ۱۲ حالی

دل ہو کہ جان - تجھ سے کیونکر عزیز رکھیے
دل ہے سو چیز تیری - جان ہے سو مال تیرا

ہے پیرِ زال سے دل اُس کا قوی زیادہ
رکھتی ہے آسرا یاں جو پیر زال تیرا

ہے پاس دوستوں کے تیری یہی نشانی
یارب کبھی نہ پائے زخم اندمال تیرا

بیگانگی میں حالی - یہ رنگِ آشنائی
سُن سُن کے سر دھنیں گے قالِ اہلِ حال تیرا

رہ میں دشتِ جنوں کی تیرے عجب مزا خوشگوار دیکھا
نہ اِس سفر میں تکان دیکھی نہ اِس نشے میں خمار دیکھا

نہ جی رُکھائی سے تیری چھوٹے نہ بے نیازی سے آس ٹوٹے
یہ ہے سدا نامراد جو یاں اُنھیں بھی اُمیدوار دیکھا

رُخِ جہاں سوز تیرا دیکھا نظارہ افروز جس چمن میں
نہ بلبل و گُل میں واں تعلق نہ سرو و قمری میں پیار دیکھا

سوار - محمل کی جستجو میں ہزاروں دشتِ طلب میں دوڑے
نہ محمل آیا نظر نہ ناقہ - فقط کچھ اُٹھتا غبار دیکھا

جو لاکھ میں ایک پر - کہیں کچھ کھلا بھی قسمت سے بھید تیرا
ملا نہ کھوج اُس کا پھر کسی کو ہزار ڈھونڈا ہزار دیکھا

لگن میں تیری نکل گئے جو نہ جھجکے دریائے پُر خطر سے
گئے وہ کود آنکھ بند کر کے نہ وار دیکھا نہ پار دیکھا

بچے ہوئے کاہشوں سے یاں کی وہی ہیں جو تیری ہو رہے ہیں
وگرنہ زخموں سے حادثوں کے ہر ایک سینہ فگار دیکھا

چمن میں بھولے سے جا بھی نکلے اگر کبھی داغدار تیرے
گُل اُن کی نظروں میں چُبھتے دیکھا کھٹکتے آنکھوں میں خار دیکھا

خبر نہیں یہ کہ کیا ہے۔ کیسا ہے۔ کون ہے۔ اور تو کہاں ہے؟
پر اپنے میں اور تجھ میں ہم نے علاقہ اک استوار دیکھا

سلوک ہیں تیرے سب سے یکساں وہ گبر و ترسا ہوں یا مسلماں
نہ اُن سے کچھ تیرا بیر پایا نہ ان سے کچھ تیرا پیار دیکھا

سپر بھی دی تو نے تیغ بھی دی مگر دیے ہاتھ باندھ سب کے
جنھیں تھا یاں اختیار سب کچھ انھیں بھی بے اختیار دیکھا

بشر سے کچھ ہو سکے نہ حالی تو ایسے جینے سے فائدہ کیا
ہمیشہ بیکار تجھکو پایا کبھی نہ سرگرم کار دیکھا

پردہ ہو لاکھ کینۂ شمر و یزید کا — چھپتا نہیں جلال تمھارے شہید کا
مضمون ہے نقش دل ہیں لَدَینا مزید کا[1] — کونین سے بھریگا نہ دامن امید کا
قفل درِ مراد سب اکبار کھل گئے — چھوڑا جب آرزو نے بھروسا کلید کا
دیکھا ہے ہمنے عالمِ رحمت کو غور سے — ہے شش جہت میں قحط دلِ ناامید کا
شرمِ کرم کی ہیں یہی گر پردہ داریاں — انجام ایک ہوگا شقی و سعید کا
ہے نردبانِ جذبۂ توفیق درمیاں — یاں امتیاز کیا ہے قریب بعید کا
ہے آسماں پہ تیرے جگر خوار کا دماغ — خونِ جگر میں نشہ ہے جامِ نبیذ کا
تسکین نہیں مشاہدۂ گاہ گاہ سے — یارب یہ روزہ وار ہے مشتاق عید کا
دوزخ ہے گر وسیع تو رحمت وسیع تر — لَا تَقْنَطُوْا جواب ہے هَلْ مِنْ مَّزِیْد کا

حالی کی ہیں اگر یہی شیوا بیانیاں
لیگا نہ کوئی نام ظہیر و رشید کا

---

[1] قرآن شریف میں ہے "لَهُمْ مَّا يَشَاءُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا مَزِيْد" یعنی اہل جنت کے لیے جنت میں جو کچھ وہ چاہیں گے سب کچھ ہوگا اور (اسکے سوا) ہمارے پاس اور بھی (بہت کچھ) ہے ۱۲ - حالی

نعت

یا ملکی الصفات یا بشری القویٰ
فیک دلیل علیٰ انک خیر الوریٰ

تجھ سے ہوئی زندہ خلق جیسے کہ باراں سے خاک
خلقک حضب الزمان نعتک محیا الوریٰ

دعوے روشن ترا ثابت بے بینہ
صورت و سیرت تری صدق پہ تیرے گوا

قال ترا اور حال نشۂ وحدت میں چور
اوڑھنا تیرا خدا اور بچھونا خدا

غیب سے بھیجا تجھے تا پتا پھرتا تھا جب
دشت میں بھٹکا ہوا قافلہ بے رہنما

اٹھا ہدایت کو تو عین ضرورت کے وقت
جیسے کہ ہنگام قحط قبلہ سے اٹھے گھٹا

شان رسالت کی تھی تیری جبیں سے عیاں
گود سے دایہ ابھی کر نہ چکی تھی جدا

گلہ بنی سعد کا جب کہ چراتا تھا تو
گلۂ آدم تجھے سونپ چکی تھی قضا

دوڑ پڑے سوئے حق کاٹ کے سب بیڑیاں
امتیوں کے جب پڑی کان میں تیری صدا

راہب و قسیس حبر رہ گئے دل تھام کر
دیکھ کے تیرا قدم ہم قدم انبیا

خاک تھی جس ملک کی مزرع شر و فساد
تو نے اسی کو دیا ارض مقدس بنا

تو نے تحمل کیا قوم کا غلبہ تھا جب
جب ہوئی مغلوب قوم تو نے ترحم کیا

چھوڑ گئے تھے سلف کام ادھورے بہت
تو نے کیا دام دام قرض سب ان کا ادا

تو نے کیا ستر حق عارف و عامی پہ فاش
ایک کو سمجھا دیا ایک کو دکھلا دیا

چوٹ سے حق کی رہا دل نہ اچھوتا کوئی
ایک کے چرکا لگا ایک کو گھائل کیا

حجت حق کر چکا دین ترا جب تمام
پھر نہ کسی دین کا رنگ جہاں میں جما

دیر[1] ہوئے بے چراغ اور صلوات یہود
شرک ہوا مضمحل اور کہانت ہبا

بجھ گئے آتشکدے بیٹھ گئے بتکدے
ہوگئی تثلیث مات اور ثنویت[2] فنا

---

[1] دیر۔ راہبوں کا کلیسا۔ صلوات۔ یہودیوں کا کلیسا۔ ہبا غبار، ناچیز [2] مجوسی جو دو خدا ایک خالق خیر ایک خالق شر یعنی یزدان اور اہرمن کو مانتے ہیں اس عقیدہ کو ثنویت کہتے ہیں ۱۲

اُٹھے بہت مدعی جیسے کہ ساون میں طاس — فزیلہ پر چند روز پائی ہے نشو و نما

غیرتِ حق نے مگر جلد لیا انتقام — مل گئے اُٹھ اُٹھ کے سب خاک میں اہلِ ہوا

رہ گیا نام سجاح[1] کذب میں ضرب المثل — اسود و ابن کثیر خوار ہوئے بہ ملا

سلسلۂ انبیاء ختم نہ ہوتا - اگر — حق کی حقیقت سے تو پردہ نہ دیتا اُٹھا

آتے ہی چشمہ دیا تو نے کنوئیں سے نکال — جسکو چلے آتے تھے کھودتے سب انبیا

بس نہ رہا اشتباہ اب حق و باطل میں کچھ — بھیج چکا تیرے ہاتھ ملتِ بیضا خدا

تجھ پہ صلوٰۃ و سلام ربِّ سمٰوات سے

روز و شب و صبح و شام قدر رہال و سے

اے عشق تو نے اکثر قوموں کو کھا کے چھوڑا

جس گھر سے سر اٹھایا اُس کو بٹھا کے چھوڑا

ابرار تجھ سے ترساں احرار تجھ سے لرزاں

جو زد پہ تیری آیا اُسکو گرا کے چھوڑا

راجوں سے راج چھینے شاہوں سے تاج چھینے

گردن کشوں کو اکثر نیچا دکھا کے چھوڑا

کیا منعموں کی دولت کیا زاہدوں کا تقوےٰ

جو گنج تو نے تاکا اُسکو لُٹا کے چھوڑا

جس رہگذر میں بیٹھا تو غولِ راہ بنکر

صنعاں سے راست رَو کو رستہ بھلا کے چھوڑا

---

[1] سجاح ایک عورت مدعیہ نبوت کا نام ہے جس کا کذب عرب میں ضرب المثل ہے چنانچہ کہتے ہیں هو اكذب من سجاح اور اسود عنسی اور مسیلمہ جس کی کنیت ابن کثیر ہے - یہ دونوں مدعی نبوت تھے جو آخر کار قتل کئے گئے ۱۲-

فرہاد کوہکن کی لی تو نے جان شیریں
اور قیس عامری کو مجنوں بنا کے چھوڑا

یعقوبؑ سے بشر کو دی تو نے ناصبوری
یوسفؑ سے پارسا پر بہتان لگا کے چھوڑا

لاگ اور لگاؤ دونو ہیں دلگداز تیرے
پتھر کے دل تھے جن کے انکو رُلا کے چھوڑا

عقل و خرد نے تجھسے کچھ چپقلش جہاں کی
عقل و خرد کا تو نے خاکا اُڑا کے چھوڑا

علم و ادب رہے ہیں دبلے ترے ہمیشہ
ہر معرکہ میں تو نے اُن کو دلا[۵] کے چھوڑا

افسانہ تیرا رنگین رُوداد تیری دلکش
شعر و سخن کو تو نے جادو بنا کے چھوڑا

اک دسترس سے تیری حالی بچا ہوا تھا
اُسکے بھی دل پہ آخر چرکا لگا کے چھوڑا

دیکھ اے امید کیجو ہم سے نہ تو کنارا — تیرا ہی رہ گیا ہے لے دیکے اک سہارا
یوں بے سبب زمانہ پھرتا نہیں کسی سے — اے آسماں کچھ اس میں تیرا بھی ہے اشارا
میخانہ کی خرابی جی دیکھکر بھر آیا — مدت کے بعد کل واں جا نکلے تھے قضارا
اک شخص کو توقع بخشش کی بے عمل ہے — اے زاہدو تمہارا ہے اس میں کیا اجارا؟
دُنیا کے خرخشوں سے چیخ اُٹھے تھے ہم اوّل — آخر کو رفتہ رفتہ سب ہو گئے گوارا
توفیق نے ہمیشہ لی تنت پر خبریاں — جب ناؤ ڈگمگائی پاس آگیا کنارا

[۵] دلانا۔ کشتی دلانا یعنی پچھاڑنا۔ اکثر کشتی کا لفظ حذف کرکے صرف دلانا بولتے ہیں۔ ۱۲

انصاف ہے جو دیکھا نکلے وہ عیب سارے — جتنے ہنر تھے اپنے عالم میں آشکارا

افسوس۔ اہلِ دیں بھی مانند اہلِ دنیا — خود کام و خودنما ہیں خودبیں ہیں اور خودآرا

اُمّت کو چھانٹ ڈالا کافر بنا بنا کر — اسلام ہے فقیہو! ممنون بہت تمھارا

کیا پوچھتے ہو کیونکر سب نکتہ چیں ہیں چُپ — سب کچھ کہا اُنھوں نے پر ہمنے دم نہ مارا

حالی سے کام ہے یاں فضلوں سے اسکے کیا کام
اچھا ہے یا بُرا ہے پھر یار ہے ہمارا

رونا نہ ہوگا حالی شاید یہ کم تمھارا — جب دیکھو آنسوؤں سے دامن ہے نم تمھارا

اُلفت میں دم بدم کچھ لذت ہے بڑھتی جاتی — چھوڑے گا کھا کے شاید عاشق کو غم تمھارا

عاقل ہیں شہر میں کم ناداں بہت ہیں واعظ — ہے مصلحت کہ اکثر بھرتے ہیں دم تمھارا

دلجو نہیں کوئی یاں حیف اے صنم پرستو — دلکش بہت تھا ورنہ بیت الصنم تمھارا

گاہک کی قدر سے کچھ قیمت نہ پاؤ گے تم — اپنی نظر میں ہوگا گر وزن کم تمھارا

دشتِ طلب کے رستو طے ہو گئے کسطرح تم — آتا نہیں سمجھ میں کچھ پیچ و خم تمھارا

دو بینواؤں کو بھی کچھ جم کے جانشینو — بس جامِ جم ہمارا اور مُلکِ جم تمھارا

روسی ہوں یا تتاری ہم کو ستائیں گے کیا — دیکھا ہے ہمنے برسوں لطف و کرم تمھارا

کھولی ہیں تمنے آنکھیں اے حادثو ہماری — احسان یہ ہرگز بھولیں گے ہم تمھارا

ہوتے ہی تم تو پیادل کچھ رو دیئے سوارو! — ہے لاکھ لاکھ من کا ایک اک قدم تمھارا

رستے میں گر نہ ٹھہرے تو تم بھی جا لوگے — گذرا ابھی ہے یاں سے خیل و حشم تمھارا

پھرتے ادھر اُدھر ہو کس کی تلاش میں تم؟ — گم ہے تمھیں میں یارو۔ باغِ اِرم تمھارا

جادو رقم تو پائیں ہم دل سے تم کو حالی
کچھ کر کے بھی دکھائے زورِ قلم تمھارا

وہ دل ہے شگفتہ نہ وہ بازو ہیں توانا — پہونچا ہی بس اب کوچ کا تم سمجھو زمانا

خود مہرِ وطن سے ہے وداع اب سفر میں — جانا ہے وہاں پھر کے جہاں سے نہیں آنا

دلّی سے نکلتے ہی ہوا جینے سے دل سیر — گویا نہ رہا اب کہیں دُنیا میں ٹھکانا

یا ربّ طلبِ وصل ہو یا ہو طربِ وصل — جس دن کہ یہ دونوں نہوں وہ دن نہ دکھانا

دُنیا کی حقیقت نہیں جز حسرت و حرماں — چھل بل میں تم اِس زالِ فسونگر کی نہ آنا

افسوس کہ غفلت میں کٹا عہدِ جوانی — تھا آبِ بقا گھر میں مگر ہم نے نہ جانا

یاروں کو ہمیں دیکھ کے عبرت نہیں ہوتی — اب واقعہ سب اپنا پڑا ہم کو سُنانا

دُنیا میں اگر ہے بھی فراغت کا کوئی دن — وہ دن ہے کہ جس دن ہے اسے چھوڑ کے جانا

لی ہوش میں آنے کی جو ساقی سے اجازت — فرمایا "خبردار کہ نازک ہے زمانا"

ڈھارس سی کچھ اک ہمقدمو تم سے بندھی ہے
حالی کو کہیں راہ میں تم چھوڑ نہ جانا

جہاں میں حالی کسی پہ اپنے سوا بھروسا نہ کیجئے گا
یہ بھید ہے اپنی زندگی کا بس اِس کا چرچا نہ کیجئے گا

ہو لاکھ غیروں کا غیر کوئی۔ نہ جاننا اُس کو غیر ہرگز
جو اپنا سایہ بھی ہو تو اُس کو تصوّر اپنا نہ کیجئے گا

سُنا ہے صُوفی کا قول ہے یہ کہ "ہے طریقت میں کفر دعویٰ"
یہ کہدو۔ "دعویٰ بہت بڑا ہے پھر ایسا دعویٰ نہ کیجئے گا"

اِسی میں ہے خیر حضرتِ دل۔ کہ یار بھولا ہوا ہے ہمکو
کرے وہ یاد۔ اِس کی بُھول کر بھی کبھی تمنّا نہ کیجئے گا

کہے اگر کوئی تم کو واعظ! کہ "کہتے کچھ اور کرتے کچھ ہو"
زمانہ کی خُو ہے نکتہ چینی کچھ اس کی پروا نہ کیجئے گا

کمال ہے ضِدّ بے کمالی۔ نہیں ملاپ اُن میں حرف گیرو!

جو ہم پہ کچھ چوٹ کیجئے گا تو آپ بیجا نہ کیجئے گا

لگاؤ تم میں نہ لاگ زاہد نہ دردِ الفت کی آگ زاہد

پھر اور کیا کیجئے گا آخر جو ترکِ دُنیا نہ کیجئے گا

تمھارا تھا دوستدار حالی اور اپنے بیگانہ کا رضا جو

سلوک اس سے کئے یہ تم نے تو ہم سے کیا کیا نہ کیجئے گا

ہو عزم دیر شاید کعبہ سے پھر کر اپنا — آتا ہے دُور ہی سے ہمکو نظر گھر اپنا

قیدِ خرد میں رہتے آتے نہیں نظر ہم — وحشت رہیگی دل کی دکھلا کے جوہر اپنا

پیرِ مغاں سے ہوکر تب سُرخرو ملیں گے — فضلِ دہر کا ہوگا جب چاک محضر اپنا

بیگانہ وش ہے گروہ تو ہی ہمارے ڈھب کا — ایسوں ہی سے بنا ہے یارانہ اکثر اپنا

عصمت پہ اپنی تھی خود فطرت گواہ اپنی — کر بیٹھے اپنے ہاتھوں ہم چاک محضر اپنا

کچھ کذب و افترا ہے کچھ کذب حق نما ہے — یہ ہے بضاعت اپنی اور یہ ہے دفتر اپنا

غیروں کو لینگے آخر اپنا بنا کے کیا ہم

اپنوں ہی سے ہے حالی کچھ دل مکدّر اپنا

معنی کا تم نے حالی دریا اگر بہایا

یہ تو بتائیں حضرت! کچھ کر کے بھی دکھایا

اے بانگِ طبلِ شاہی دن ہو گیا جب آخر

خوابِ گراں سے تو نے ناحق ہمیں جگایا

تھا ہوش یادِ گل کا دورِ خزاں میں کسکو

اے عندلیبِ نالاں یہ تو نے گل کھلایا

ویراں ہے باغ تیرا پھولی نہیں سماتی

مژدہ صبا نے یارب بلبل کو کیا سنایا؟

اے عشق دل کو رکھا دُنیا کا اور نہ دیں کا
گھر ہی بگاڑ ڈالا تو نے بنا بنایا

ڈرتے رہیں گے اب ہم بے جُرم بھی سزا سے
احسان اُس کا جس نے ناحق ہمیں ستایا

واعظ کی حجّتوں سے قائل تو ہو گئے ہم
کوئی جوابِ شافی پر اُس سے بن نہ آیا

آیا نہ تھا کبھی یاں گویا قدم خزاں کا
دو دن میں یوں پلٹ دی کس نے چمن کی کایا

تقلیدِ قوم ہی پر گر ہے مدارِ تحسین
تو ہم نے دوستوں کی تحسین سے ہاتھ اُٹھایا

دیکھا تو کچھ نظر میں حالی بچا نہ اپنی
جو جو گمان تھے ہم کو اُن کا نشاں نہ پایا

نفس دعویٰ بے گناہی کا سدا کرتا رہا — گرچہ اُترے جی سے دل اکثر آیا کرتا رہا
حق نے احساں میں نہ کی اور میں نے کفراں میں کمی — وہ عطا کرتا رہا اور میں خطا کرتا رہا
چوریوں سے دیدہ و دل کی نہ شرمایا کبھی — چپکے چپکے نفسِ خائن کا کہا کرتا رہا
طاعتوں کی زد سے بچ بچ کر چلا راہِ خطا — وار اُن کا اس لئے اکثر خطا کرتا رہا
نفس میں جو ناروا خواہش ہوئی پیدا کبھی — اُس کو حیلے دل سے گھڑ گھڑ کر روا کرتا رہا
منہ نہ دیکھیں دوست پھر میرا اگر جانیں کہ میں — اُن سے کیا کہتا رہا اور آپ کیا کرتا رہا
تھا نہ استحقاقِ تحسیں پر تھی تحسیں سدا — حق ہے جو دُون ہمتی کا وہ ادا کرتا رہا
شہرت اپنی جسقدر بڑھتی گئی آفاق میں — کبرِ نفس اتنا ہی یاں نشو و نما کرتا رہا
ایک عالم سے وفا کی تو نے اے حالی مگر — نفس پر اپنے سدا ظلم و جفا کرتا رہا

کہیں الہام منوانا پڑے گا ۱ کہیں کشف اپنا جتلانا پڑے گا

ہو صوفی صفا گو بہت ہیں لیکن ۲ کرشمہ کوئی دکھلانا پڑے گا

"نصیحت بے اثر ہے گر نہ ہو درد" یہ گر ناصح کو بتلانا پڑے گا

جنھیں ہو جھوٹ کو سچ کر دکھانا انھیں سچوں کو جھٹلانا پڑے گا

عوام الناس کا ہو گا جنھیں منہ انھیں خاصوں پہ منہ آنا پڑے گا

رہے وصفِ بتاں کی مشق واعظ تمھیں بچوں کو پھسلانا پڑے گا

سخن میں پیروی کی گر سلف کی انھیں باتوں کو دہرانا پڑے گا

قطعہ

تعلق کا ہے پھندا پیچ در پیچ ۱ یہ عقدہ ہم کو سلجھانا پڑے گا

بہت یاں ٹھوکریں کھائی ہیں ہمنے ۲ بس اب دنیا کو ٹھکرانا پڑے گا

نہیں بو انس کی اس غمکدے میں ۳ کہیں دل جا کے بہلانا پڑے گا

دل اب صحبت سے کوسوں بھاگتا ہے ۴ ہمیں یاروں سے شرمانا پڑے گا

زمانہ کر رہا ہے قطع پیوند ۵ وفا سے ہم کو پچھتانا پڑے گا

جو منصوبے ہیں یہ حالی تو شاید ۶ ارادہ فسخ فرمانا پڑے گا

۷ بشر پہلو میں دل رکھتا ہے جب تک
اسے دنیا کا غم کھانا پڑے گا

سخن پر ہمیں اپنے رونا پڑے گا یہ دفتر کسی دن ڈبونا پڑے گا

عزیزو کہاں تک یہ آتش مزاجی تمھیں جلد تر خاک ہونا پڑے گا

رہا دوستی پر نہ تکیہ کسی کی بس اب دل سے شکووں کو دھونا پڑے گا

بن آئیگی ہرگز نہ یاں کچھ کئے بن جو کچھ کاٹنا ہے تو بونا پڑے گا

ہوئے تم نہ سیدھے جوانی میں حالی
مگر اب مری جان ہونا پڑے گا

کب تک اے ابرِ کرم ترسائے گا
مینھ بھی رحمت کا کبھی برسائے گا

پھل کچھ اے نخلِ وفا تجھ میں نہیں
جو لگائیگا تجھے پچھتائے گا

دوست کا آیا ہی سمجھو اب پیام
آج اگر آیا نہیں کل آئے گا

ذوق سب جاتے رہے جز ذوقِ درد
اک یہ لپکا دیکھئے کب جائے گا

قطعہ

واعظ آتا ہے تو آنے دو اُسے
۱ پر مزا آنے کا یاں کیا پائے گا

آئے گا اور ہم کو شرمائیگا مفت
۲ اور خود شرمندہ ہو کر جائے گا

عیب سے خالی نہ واعظ ہے نہ ہم
۳ ہم پہ منھ آئے گا منھ کی کھائے گا

دل کے تیور ہی کہے دیتے تھے صاف
رنگ یہ دیوانہ اک دن لائے گا

باغ و صحرا میں رہے جو تنگ دل
جی قفس میں اُسکا کیا گھبرائے گا

قطعہ

رنگ گردوں کا ہے کچھ بدلا ہوا
۱ شعبدہ تازہ کوئی دکھلائے گا

ابر و برق آئے ہیں دونوں ساتھ ساتھ
۲ دیکھئے برسے گا[۱] یا برسائے گا

مشکلوں کی جسکو ہے حالی خبر
مشکلیں آساں وہی فرمائے گا

واں اگر جائیں تو لیکر جائیں کیا
منھ اُسے ہم جاکے یہ دکھلائیں کیا

دل میں باقی ہے وہی حرصِ گناہ
پھر کئے سے اپنے ہم پچھتائیں کیا

آؤ لیں اس کو ہمیں جا کر منا
اُس کی بے پروائیوں پر جائیں کیا

دل کو مسجد سے نہ مندر سے ہے اُنس
ایسے وحشی کو کہیں بہلائیں کیا

جانتا دنیا کو ہے اک کھیل تو
کھیل قدرت کے تجھے دکھلائیں کیا

عمر کی منزل تو جوں توں کٹ گئی
مرحلے اب دیکھئے پیش آئیں کیا

دل کو سب باتوں کی ہے ناصح خبر
سمجھے سمجھائے کو بس سمجھائیں کیا

---

[۱] برسنا ۔ غصہ ظاہر کرنا ۔ ۱۲

مان لیجے شیخ جو دعوے کرے اک بزرگ دین کو ہم جھٹلائیں کیا

ہو چکے حالی غزلخوانی کے دن
راگنی بے وقت کی اب گائیں کیا

کاش اک جام بھی سالک کو پلایا جاتا
اک چراغ اور سر راہ جلایا جاتا

کر دیا اس نے تو اللہ سے غافل ناصح!
اس کو کیوں بھولتے گر اس کو بھلایا جاتا

چپ چپاتے اٹھ دسے آئے دل اک بات پہ ہم
مال مہنگا نظر آتا تو چکایا جاتا

شب کو زاہد سے نہ مٹ بھیڑ ہوئی خوب ہوا
نشہ زوروں پہ تھا شاید نہ چھپایا جاتا

دل کو یہ تو نے دکھایا ہے کہ دکھ جاتا ہے
چیونٹی کا بھی اگر دل ہے دکھایا جاتا

نامہ بر آج بھی خط لیکے نہ آیا یا رد
تم تو کہتے تھے کہ "وہ ہے ابھی آیا جاتا"

عشق اس وقت سر پر ہی منڈلاتا تھا
گودیوں میں مجھے تھا جب کہ کھلایا جاتا

لوگ کیوں شیخ کو کہتے ہیں کہ "عیار ہے وہ"
اس کی صورت سے تو ایسا نہیں پایا جاتا

بارہا دیکھ چکے تیرے فریب اے دنیا
ہم سے اب جان کے دھوکا نہیں کھایا جاتا

کرتے کیا ؟ پیتے اگر مے نہ عشا سے تا صبح
وقت فرصت کا یہ کس طرح گنوایا جاتا

دل نہ طاعت میں لگا جب تو لگایا غم عشق
کسی دھندے میں تو آخر یہ لگایا جاتا

اس نے اچھا ہی کیا حال نہ پوچھا دل کا
بھڑک اٹھتا تو یہ شعلہ نہ دبایا جاتا

عشق سنتے تھے جسے ہم وہ یہی ہے شاید
"خود بخود دل میں ہے اک شخص سمایا جاتا"

اب تو تکفیر سے واعظ نہیں ہٹتا حالی
کہتے پہلے سے تو دے لیکے ہٹایا جاتا

راحت کا جہاں میں یوں نہیں اک نام ہے گویا
راحت کی تلاش اک طمع خام ہے گویا

کچھ کرتے ہیں جو یاں وہی انگشت نما ہیں
بدنام ہی دنیا میں نکو نام ہے گویا

ناچیز ہیں وہ کام - نہیں جن پہ کچھ الزام
جو کام ہیں - انکا یہی انعام ہے گویا

ہے وقت رحیل اور وہی عشرت کے ہیں سامان
آخر ہوئی رات اور ابھی یاں شام ہے گویا

اٹھتا تھا کچھ اول ہی سے یہ درد بری طرح
آغاز ہی الفت کا بس انجام ہے گویا

ادبار بھی دیکھوگے جہاں پاؤگے اسلام
اسلام کا ادبار بھی اک نام ہے گویا

جب دیکھیے حالی کو پڑا پائیے بیکار
کرنا اسے باقی یہی اک کام ہے گویا

خلوت میں تری صوفی گر نور صفا ہوتا
تو سب میں ملا رہتا اور سب سے جدا ہوتا

تھا آفت جاں اسکا انداز کنایہ ہی
ہم بچکے کہاں جاتے گر تیر خطا ہوتا

کچھ اپنی حقیقت کی گر تجھکو خبر ہوتی
میری ہی طرح تو بھی غیروں سے خفا ہوتا

یہ لطف بناوٹ میں دیکھا نہ سنا قاصد ان پڑھ تو یہی تو یہ کچھ پڑھتا تو بلا ہوتا

باتوں میں شکایت کی بو آتی ہو الفت کی گر دلمیں جگہ ہوتی لب پر بھی گلا ہوتا

ہم روزِ وداع اُس سے ہنس ہنس کے ہوئے رخصت رونا تھا بہت ہمکو روتے بھی تو کیا ہوتا

گر صاحبِ دل ہوتے سن کر مری بیتابی تم کو بھی قلق ہوتا اور مجھ سے سوا ہوتا

جو دل پہ گذرتی ہے کیا تجھ کو خبر ناصح کچھ ہم سے سنا ہوتا پھر تو نے کہا ہوتا

جو جان سے در گذری وہ چاہے سو کر گذرے گر آج نہ تم آتے کیا جانئے کیا ہوتا

کل حالیؔ دیوانہ کہتا تھا کچھ افسانہ
سننے ہی کے قابل تھا تم نے بھی سنا ہوتا

پیش از ظہورِ عشق کسی کا نشاں نہ تھا
تھا حسن میزباں کوئی مہماں نہ تھا

ہم کو بہار میں بھی سرِ گلستاں نہ تھا
یعنی خزاں سے پہلے ہی دل شادماں نہ تھا

ملتے ہی اُن کے بھول گئیں کلفتیں تمام
گویا ہمارے سر پہ کبھی آسماں نہ تھا

کیا جانتے تھے جائیگا جی اک نگاہ میں
تھی دل کی احتیاط مگر ہیم جاں نہ تھا

سچ ہے کہ پاسِ خاطرِ نازک عذاب ہے
تھا دل کو جب فراغ کہ وہ مہرباں نہ تھا

کچھ میری بیخودی سے تمہارا زیاں نہیں
تم جانتا کہ بزم میں اک خستہ جاں نہ تھا

رات اُن کو بات بات پہ سو سو دیئے جواب

مجھ کو خود اپنی ذات سے ایسا گماں نہ تھا
رونا ہی یہ کہ آپ بھی ہنستے تھے ورنہ یاں
طعنِ رقیب دل پہ کچھ ایسا گراں نہ تھا
تھا کچھ نہ کچھ کہ پھانس سی اک دل میں چبھ گئی
مانا کہ اس کے ہاتھ میں تیر و سناں نہ تھا
بزمِ سخن میں جی نہ لگا اپنا زینہار
شب انجمن میں حالیؔ جادو بیاں نہ تھا

رنج اور رنج بھی تنہائی کا | وقت پہونچا مری رسوائی کا
عمر شاید نہ کرے آج وفا | کاٹنا ہے شبِ تنہائی کا
تم نے کیوں وصل میں پہلو بدلا | کس کو دعویٰ ہے شکیبائی کا
ایک دن راہ پہ جا پہونچے ہم | شوق تھا بادیہ پیمائی کا
اس سے نادان ہی بن کر ملئے | کچھ اجارہ نہیں دانائی کا
سات پردوں میں نہیں ٹھہرتی آنکھ | حوصلہ کیا ہے تماشائی کا
درمیاں پائے نظر ہے جبتک | ہم کو دعویٰ نہیں بینائی کا
کچھ تو ہے قدر تماشائی کی | ہے جو یہ شوق خود آرائی کا
اسکو چھوڑا تو ہے لیکن اے دل | مجھکو ڈر ہے تری خودرائی کا
بزمِ دشمن میں نہ جی سے اترا | پوچھنا کیا تری زیبائی کا
یہی انجام تھا اے فصلِ خزاں؟ | گل و بلبل کی شناسائی کا
مدد اے جذبۂ توفیق کہ یاں | ہو چکا کام توانائی کا
محتسب عذر بہت ہیں لیکن | اذن ہمکو نہیں گویائی کا
ہونگے حالی سے بہت آوارہ | گھر ابھی دور ہے رسوائی کا

ق اِغماض چلتے وقت مروّت سے دُور تھا
رو رو کے ہم کو اور رُلانا ضرور تھا

تھی ہر نظر نہ محرمِ دیدار ورنہ یاں
ہر خار نخلِ ایمن و ہر سنگ طُور تھا

ورد اکہ لب پہ رازِ دل آیا نہ تھا ہنوز
چرچا ہمارے عشق کا نزدیک و دُور تھا

جانی نہ قدر رحمتِ حق پارسا نے کچھ
ٹھہرا قصور وار اگر بے قصور تھا

دُردی کشانِ بزمِ مُغاں کا نہ پُوچھ حال
ایک ایک رندِ نشۂ وحدت میں چُور تھا

اب باریاب انجمنِ عام بھی نہیں
وہ دل کہ خاص محرمِ بزمِ حضور تھا

روزِ وداع بھی شبِ ہجراں سے کم نہ تھا
کچھ صبح ہی سے شامِ بلا کا ظہور تھا

بیمار کی تو اپنے نہ لی تم نے کچھ خبر
پھر بر سرِ نعش پہ آنا ضرور تھا

حالیؔ کو ہجر میں بھی جو دیکھا تو شادماں
تھا حوصلہ اُسی کا کہ اتنا صبور تھا[۹۱]

---

۹۱ اس غزل کے متعلق بیچم صاحب کی جنتری سنہ ۱۸۹۱ء صفحہ ۱۱ میں سے یہ دو شعر ہم کو ملے ہیں جو دیوان میں نہیں تھے۔ لہٰذا یہ دونوں یہاں حاشیہ پر درج کر دیئے جاتے ہیں (اسماعیل)

کیونکر کہوں کہ تم مرے مرنے سے شاد تھے　　چہرہ تھا گُل اُداس جو دل میں سُرور تھا

زاہد کو گر عبادت و تقویٰ پہ تھا گھمنڈ　　ہم کو بھی انفعال پہ اپنے غرور تھا

دل سے خیالِ دوست بُھلایا نہ جائے گا
سینے میں داغ ہے کہ مٹایا نہ جائے گا

تم کو ہزار شرم سہی مجھکو لاکھ ضبط
اُلفت وہ راز ہے کہ چھپایا نہ جائے گا

اے دل رضائے غیر ہے شرطِ رضائے دوست
زنہار بارِ عشق اُٹھایا نہ جائے گا

دیکھی ہیں ایسی اُن کی بہت مہربانیاں
اب ہم سے مُنہ میں موت کے جایا نہ جائے گا

مَے تُند و ظرف حوصلۂ اہلِ بزم تنگ
ساقی سے جام بھر کے پلایا نہ جائے گا

راضی ہیں ہم کہ دوست سے ہو دشمنی - مگر
دشمن کو ہم سے دوست بنایا جائے گا

کیوں چھیڑتے ہو ذکر نہ ملنے کا رات کے
پُوچھیں گے ہم سبب - تو بتایا نہ جائے گا

بگڑیں نہ بات بات پہ کیوں جانتے ہیں وہ
ہم وہ نہیں کہ ہم کو منایا نہ جائے گا

ملتا ہے آپ سے تو نہیں حصر غیر پر
کس کس سے اختلاط بڑھایا نہ جائے گا

مقصود اپنا کچھ نہ کھلا لیکن اس قدر
یعنی وہ ڈھونڈتے ہیں جو پایا نہ جائے گا

جھگڑوں میں اہلِ دین کے نہ حالی پڑیں بس آپ
قصّہ حضور سے یہ چکایا نہ جائے گا

قلق اور دل میں سوا ہو گیا
دلاسا تمھارا بلا ہو گیا

دکھانا پڑے گا مجھے زخمِ دل
اگر تیر اُس کا خطا ہو گیا

سبب ہو نہ ہو لب پہ آنا ضرور
مرا شکر اُس کا گلہ ہو گیا

وہ اُمید کیا جس کی ہو انتہا
وہ وعدہ نہیں جو وفا ہو گیا

ہُوا رُکتے رُکتے دمِ آخر فنا
مرض بڑھتے بڑھتے دوا ہو گیا

نہیں بھولتا اُسکی رخصت کا وقت
وہ رو رو کے ملنا بلا ہو گیا

سماں کل کا رہ رہ کے آتا ہے یاد
ابھی کیا تھا اور کیا سے کیا ہو گیا

سمجھتے تھے جس غم کو ہم جانگزا
وہ غم رفتہ رفتہ غذا ہو گیا

نہ دے میری اُمید مجھکو جواب
رہے وہ خفا گر خفا ہو گیا

ٹپکتا ہے اشعارِ حالی سے حال
کہیں سادہ دِل مبتلا ہو گیا

ق
سنگِ گراں ہے راہ میں تمکینِ یار کا — اب دیکھنا ہے زورِ دلِ بیقرار کا
اک خوشی ہو گئی ہے تحمل کی ورنہ اب — وہ حوصلہ رہا نہیں صبر و قرار کا
آؤ مٹا بھی دو خلشِ آرزوئے قتل — کیا اعتبار زندگیٔ مستعار کا
ہم خوش کبھی ہوئے ہوں تو غم ناگوار ہو — ملتا نہیں محل گلۂ روزگار کا
سمجھو مجھے اگر تمھیں ہے آدمی کی قدر — میرا اک التفات نہ مرنا ہزار کا
گر صبح تک وفا نہ ہوا وعدۂ وصال — سُن لیں گے وہ مآلِ شبِ انتظار کا
اب محو بوئے گل پہ ہوا کب دلِ حزیں — ہم کو چمن سے یاد ہے جانا بہار کا
ہر سمت گرد ناقۂ لیلےٰ بلند ہے — پہونچے جو حوصلہ ہو کسی شہسوار کا
غربت کے مشغلوں نے وطن کو بُھلا دیا — خانہ خراب خاطرِ الفت شعار کا

حالی بس اب یقین ہے کہ دلّی کے ہو رہے
ہے ذرّہ ذرّہ رہزن اس دیار کا

ب

دردِ دل کو دوا سے کیا مطلب — کیمیا کو طلا سے کیا مطلب
چشمۂ زندگی ہے ذکرِ جمیل — خضر و آبِ بقا سے کیا مطلب
بادشاہی ہے نفس کی تسخیر — ظلّ بالِ ہما سے کیا مطلب
جو کرینگے بھریں گے خود واعظ — تم کو میری خطا سے کیا مطلب
جنکے معبود حور و غلماں ہیں — اُن کو زاہد خدا سے کیا مطلب
کام ہے مردمی سے انساں کی — ۱ قطعہ زُہد یا اتّقا سے کیا مطلب
ہے اگر رِند دامن آلودہ — ۲ ہم کو چون و چرا سے کیا مطلب

صوفیٔ شہر باصفا ہے اگر ۳ ہو۔ ہماری بلا سے۔ کیا مطلب
نکہتِ مے پہ غش ہیں جو **حالیؔ**
۴ اُن کو دُرد و صفا سے کیا مطلب

ق
مجھ میں وہ تابِ ضبطِ شکایت کہاں ہے اب
چھیڑو نہ تم کہ میرے بھی منھ میں زباں ہے اب
وہ دن گئے کہ حوصلۂ ضبطِ راز تھا
چہرے سے اپنے شورشِ پنہاں عیاں ہے اب
جس دل کو قیدِ ہستیٔ دُنیا سے ننگ تھا
وہ دل اسیرِ حلقۂ زُلفِ بُتاں ہے اب
آنے لگا جب اُس کی تمنّا میں کچھ مزا
کہتے ہیں لوگ "جان کا اسمیں زیاں ہے اب"
لغزش نہو۔ بلا ہے حسینوں کا اِلتفات
اے دل سنبھل۔ وہ دشمنِ دیں مہرباں ہے اب
اک جُرعۂ شراب نے سب کچھ بھلا دیا
ہم ہیں اور آستانۂ پیرِ مُغاں ہے اب
ہے وقتِ نزع اور وہ آیا نہیں ہنوز
ہاں جذبِ دل مدد کہ دمِ امتحاں ہے اب
ہے دل غمِ جہاں سے سبکدوش اِن دنوں
سر پڑتا سوجھتا کوئی بارِ گراں ہے اب
حالیؔ تم اور ملازمتِ پیرِ مے فروش
وہ علم و دین کدھر ہے وہ تقویٰ کہاں ہے اب

۱۶۳۷۶

پ

یہ ہیں واعظ سب پہ منہ آتے ہیں آپ — ناصح قوم اسپہ کہلاتے ہیں آپ

بس بہت طعن و ملامت کر چکے — کیوں زباں رندوں کی کھلواتے ہیں آپ

ہے صراحی میں وہی لذت کہ جو — چڑھ کے منبر پہ مزا پاتے ہیں آپ

واعظو! ہے اُن کو شرمانا گناہ 1 — جو گنہ سے اپنے شرماتے ہیں آپ

کرتے ہیں اک کی تکفیر آپ کیوں؟ 2 — اسپہ بھی کچھ عذر فرماتے ہیں آپ

کرتے ہیں آباد دوزخ کو حضور — خُلد کو ویران کرواتے ہیں آپ

چھیڑ کر واعظ کو حالیؔ خُلد سے
بسترا کیوں اپنا پھکواتے ہیں آپ؟

ت

گو جوانی میں تھی کج رائی بہت — پر جوانی ہم کو یاد آئی بہت

زیر برقع تو نے کیا دکھلا دیا — جمع ہیں ہر سُو تماشائی بہت

ہٹ پہ اُسکی اور پس جاتے ہیں دل — راس ہے کچھ اُسکو خود رائی بہت

سرو یا گُل آنکھ میں جچتے نہیں — دل پہ ہے نقش اسکی رعنائی بہت

چُور تھا زخموں میں اور کہتا تھا دل — "راحت اس تکلیف میں پائی بہت"

آ رہی ہے چاہ یوسفؑ سے صدا — "دوست یاں تھوڑے ہیں اور بھائی بہت"

وصل کے ہو ہو کے ساماں رہ گئے — مینہ نہ برسا اور گھٹا چھائی بہت

جاں نثاری پر وہ بول اُٹھے مری — "ہیں فدائی کم تماشائی بہت"

ہم نے ہر ادنیٰ کو اعلیٰ کر دیا — خاکساری اپنی کام آئی بہت

کر دیا چُپ واقعات دہر نے — تھی کبھی ہم میں بھی گویائی بہت

گھٹ گئیں خود تلخیاں ایام کی؟ — یا گئی کچھ بڑھ شکیبائی بہت

ہم نہ کہتے تھے کہ حالی چُپ رہو
راست گوئی میں ہے رُسوائی بہت

اُسکے جاتے ہی یہ کیا ہوگئی گھر کی صورت
نہ وہ دیوار کی صورت ہے نہ دَر کی صورت

کس سے پیمانِ وفا باندھ رہی ہے بُلبل
کل نہ پہچان سکے گی گلِ تر کی صورت

ہے غمِ روزِ جدائی نہ نشاطِ شبِ وصل
ہوگئی اور ہی کچھ شام و سحر کی صورت

اپنی جیبوں سے رہیں سارے نمازی ہُشیار
اِک بزرگ آتے ہیں مسجد میں خضر کی صورت

دیکھیے شیخ مُصوّر سے کھچے یا نہ کھچے
صورت۔ اور آپ سے بے عیب بشر کی صورت

واعظو! آتشِ دوزخ سے جہاں کو تم نے
یہ ڈرایا ہے کہ خود بن گئے ڈر کی صورت

کیا خبر زاہدِ قانع کو کہ کیا چیز ہے حرص
اُس نے دیکھی ہی نہیں کیسۂ زر کی صورت

میں بچا تیرِ حوادث سے نشانہ بنکر
آڑے آئی مرے تسلیم سپر کی صورت

شوق میں اُسکے مزا۔ درد میں اُس کے لذّت
ناصحو اس سے نہیں کوئی مفر کی صورت

حملہ اپنے پہ بھی اک۔ بعدِ ہزیمت ہے ضرور

رہ گئی ہے یہی اک فتح و ظفر کی صورت

رہنماؤں کے ہوئے جاتے ہیں اوسان خطا
راہ میں کچھ نظر آتی ہے خطر کی صورت

یوں تو آیا ہے تباہی میں یہ بیڑا سو بار
پر ڈرانی ہے بہت آج بھنور کی صورت

انکو حالی بھی بلاتے ہیں گھر اپنے مہمان
دیکھنا آپ کی اور آپ کے گھر کی صورت

بناتے ہیں وہ مہربانی کی صورت — پہ چھپتی نہیں سرگرانی کی صورت
جسے دیکھکر دل ہو عاشق کا بے کل — وہ ہے اور ہی مہربانی کی صورت
شب وعدہ ہے بار عام انکے در پر — مرے حق میں اک پاسبانی کی صورت
غم دل نے رسوا کیا ہم کو آخر — بنائی بہت شادمانی کی صورت
ہے اس ریش پر وسمہ کیا خوب کھلتا — ذرا دیکھنا شیخ فانی کی صورت
یقین ہے کہ ہم جس کو سمجھے ہیں مرنا — یہی ہو تو ہو زندگانی کی صورت

سمجھکر کرو قتل حالی کو دیکھو
مٹاؤ نہ عشق و جوانی کی صورت

ٹ

تو نہیں ہوتا تو رہتا ہے اُچاٹ — دل کو یہ کیسی لگا دی تو نے چاٹ؟
بج رہی ہے کان میں یاں لَے وہی — اور مغنی نے کئی بدلے ہیں ٹھاٹ
ناؤ ہے بوسیدہ اور موجیں ہیں سخت — اور دریا کا بہت چکلا ہے پاٹ
اِک کہانی پیرزن کی رہ گئی — راج کسرے کا رہا باقی نہ پاٹ
دَیر سے مسجد میں ہم آئے تو ہیں — ہے مگر یاں جی کچھ اُسے زاہد اُچاٹ

کبھی تجھکو بنادیں اے اسیر — ہیں بہت سرکار کی محفل میں بھاٹ
رشتیں رستوں کے ہیں سب ہیر پھیر — سب جہازوں کا ہے لنگر ایک گھاٹ
برق منڈلاتی ہے اب کس چھپر پر — ٹڈیاں کب کی گئیں کھیتی کو چاٹ؟
تیغ میں تُرشی یہ اے حالی نہیں — جسقدر تیری زباں کرتی ہو کاٹ
چٹکیاں سی دل میں یہ لیتا ہو کون — شعر تو ظاہر میں ہیں تیرے سپاٹ؟

ث

باپکا ہو جیسے پسر وارث — ہو ہنر کا بھی اُسکے گر وارث
گھر ہنرور کا نا خلف نے لیا — تیرا ہے کون اے ہنر وارث
فاتحہ ہو کہاں سے میت کی — لیگئے ڈھو کے سیم و زر وارث
ہوں اگر ذوقِ کسب سے آگاہ — کریں میراث سے حذر وارث
خاک کرمانِ گور و خویش و تبار — ایک میت اور اسقدر وارث
واعظو دین کا خدا حافظ — انبیا کے ہو تم اگر وارث
قوم سے پرسہ دینِ بیکس سے — گئے اسلام کے کدھر وارث؟
ہم پہ بیٹھے ہیں ہاتھ دھو کے حریف — جیسے مردہ کے مال پر وارث

ترکہ چھوڑا ہے کچھ اگر حالی
کیوں ہیں میت پہ نوحہ گر وارث

بس واعظا! اپنا کھلوایا عبث — دل جلوں کو تونے گرمایا عبث
جلوہ صوفی نے نہ دکھلایا کوئی — رات بھر یاروں کو چھکوایا عبث
شیخ رندوں میں بھی ہیں کچھ پاکباز — سب کو ملزم تونے ٹھہرایا عبث
کوئی بھی آکے اب پھنستا نہیں — آپ نے جال اپنا پھیلایا عبث
آنکلتے تھے کبھی مسجد میں ہم — تونے زاہد ہم کو شرمایا عبث

کھیتیاں جلکر ہوئیں یارو نکی خاک ۔ ابر ہے گھر کر ادھر آیا عبث
قوم کا حالی نپنپنا ہے محال ۔ تم نے رو رو سب کو رلوایا عبث

ج

بات کچھ ہم سے بن نہ آئی آج ۔ بول کر ہمنے منھ کی کھائی آج
چپ پر اپنی بھرم تھے کیا کیا کچھ ۔ بات بگڑی بنی بنائی آج
شکوہ کرنے کی خو نہ تھی اپنی ۔ پر طبیعت ہی کچھ بھر آئی آج
بزم ساقی نے دی الٹ ساری ۔ خوب بھر بھر کے خم لنڈھائی آج
معصیت پر ہے دیر سے یارب ۔ قطعہ ۱ نفس اور شرع میں لڑائی آج
غالب آتا ہے نفس دوں یا شرع ۔ ۲ دیکھنی ہے تری خدائی آج
چور ہے دل میں کچھ نہ کچھ یارو ۔ نیند بھر رات بھر نہ آئی آج
کل یہاں کاروبار ہیں سب بند ۔ کر لو کرنی ہے جو کمائی آج

زد سے الفت کی بچ کے چلنا تھا
مفت حالی نے چوٹ کھائی آج

تلخی دوراں کے ہیں سب شکوہ سنج ۔ یہ بھی ہے یارو کوئی رنجوں میں رنج
رنج و شادی پاسکے ہیں سب ثبات ۔ اور اگر سوچو تو شادی ہے نہ رنج
تھا قناعت میں نہاں گنج فراغ ۔ پر ہمیں بے وقت ہاتھ آیا یہ گنج
فکر و سن بڑھتے تھے شاید ساتھ ساتھ ۔ ہیں وہ اب پنجاہ جو پہلے تھے پنج
ہمکو بھی آتا تھا ہنسنا بولنا ۔ جب کبھی جیتے تھے ہم اسے بذلہ سنج
آگئی مرگ طبیعی ہمکو یاد ۔ شاخ سے دیکھا جو خود گرتا ترنج

راہ اب سیدھی ہے حالی سوئے دوست
ہو چکے طے سب خم و پیچ و شکنج

چ

بزم مے اچھی ہے۔ گو دنیا ہے اے میخوار ہیچ

یاں سمجھ لیتے تو ہیں دنیا کو دم بھر یار ہیچ

نفس سے سر برہوئی دانش نہ صبر و عقل و ہوش

ایک دشمن پر سر کیں ہو تو ہیں سب یار ہیچ

شیخ! جو مخلص ہیں وہ رکھتے نہیں کچھ امتیاز

ہی یہ سب اونچی دوکان اور رونقِ بازار ہیچ

شاہدِ معنی کو آرایش کی کچھ حاجت نہیں

سبحہ و سجادہ ہیچ اور جبہ و دستار ہیچ

ہو گر جتنے جسقدر اتنے برستے تم نہیں

اے فصیحو! ہے یہ سب گفتارِ بے کردار ہیچ

روئی تو آٹھ آٹھ آنسو اور پیچاول نہ ایک

نکلے موتی تیرے سب اے چشم گوہر بار ہیچ

خوان نعمت نے ترے اے عاملِ مردار خوار

کر دیے آفاق کے سب خان و خوان سالار ہیچ

ہے ادب مسند پہ۔ جو کچھ ہے رئیس شہر کا

ہٹ کے مسند سے جو خود دیکھیں تو ہیں سرکار ہیچ

گو کہ حالی اگلے استادوں کے آگے ہیچ ہو

کاش ہوتے ملک میں ایسے ہی اب دو چار ہیچ

ح

کاٹیے دن زندگی کے ان یگانوں کی طرح

جو سدا رہتے ہیں چوکس پاسبانوں کی طرح

منزلِ دنیا میں ہیں پا در رکاب آٹھوں پہر
رہتے ہیں یہاں سرا میں میہمانوں کی طرح

سعی سے اکتاتے اور محنت سے کنیاتے نہیں
جھیلتے ہیں سختیوں کو سخت جانوں کی طرح

رسم و عادت پر ہیں کرتے عقل کو فرمانروا
نفس پر رکھتے ہیں کوڑا حکمرانوں کی طرح

شادمانی میں گذرتے اپنے آپے سے نہیں
غم میں رہتے ہیں شگفتہ شادمانوں کی طرح

رکھتے ہیں تمکیں جوانی میں بڑھاپے سے سوا
رہتے ہیں چونچال پیری میں جوانوں کی طرح

پاتے ہیں اپنوں میں غیروں سے سوا بیگانگی
پر بھلا تکتے ہیں ایک اک کا یگانوں کی طرح

آس کھیتی کے پنپنے کی انھیں ہو یا نہ ہو
ہیں اسے پانی دیے جاتے کسانوں کی طرح

ان کے غصے میں ہے دلسوزی ملامت میں ہے پیار
مہربانی کرتے ہیں نامہربانوں کی طرح

کام سے کام اپنے ان کو۔ گو ہو عالم نکتہ چین
رہتے ہیں بتیس دانتوں میں زبانوں کی طرح

طعن سن سن احمقوں کے ہنستے ہیں دیوانہ وار
دن بسر کرتے ہیں دیوانوں میں سیانوں کی طرح

کیجیے کیا حالی۔ نہ لیجیے سادگی گر اختیار
بولنا آئے نہ جب رنگیں بیانوں کی طرح

خ

مے مغاں کا ہے چسکا اگر بُرا اے شیخ — تو ایسی ہی بُری چاٹ اور دے لگا اے شیخ

ریا کو صدق سے ہے جامِ مے بدل دیتا — تمھیں بھی ہے کوئی یاد ایسی کیمیا اے شیخ

وہ سِکّے بھان متی جو بناتے تھے اکسیر — تماشے دیکھے ہیں یہ ہمنے بارہا اے شیخ

غرورِ فقر و غرورِ غنا میں فرق ہے کیا؟ — تجھی پہ رکھتے ہیں ہم منحصر بتا اے شیخ؟

زباں پہ ہوتی ہے مہر انکی جو ہیں محرمِ راز — پھر ایسا کیجیو ہرگز نہ ادعا اے شیخ

قطعہ

۱ خبر بھی ہے تمھیں؟ کیا بن رہی ہے بیڑے پہ — ہیں آپ جون سے بیڑے کے ناخدا اے شیخ؟

۲ وہ ڈوبتوں سے الگ بیٹھے ہیں جس میں تیراک — شناوری کا ہی گر ہے۔ مرحبا اے شیخ

گوزن و گور ہیں بچپن سے تارکِ دُنیا — نہایت آپکی ہے۔ اُن کی ابتدا اے شیخ

کمال حسنِ عقیدت سے آیا تھا حالی
پہ خانقاہ سے افسردہ دل گیا اے شیخ!

د

شادی کے بعد غم ہے فقیری غنا کے بعد — اب خوف کیا ہے دھرا کیا رجا کے بعد

ہے سامنا بلا کا پس از عافیت ضرور — ہوتی ہے عافیت کی توقع بلا کے بعد

تعزیرِ جُرمِ عشق ہے بے صرفہ محتسب — بڑھتا ہے اور ذوقِ گنہ یاں سزا کے بعد

گر دردِ دل سے پائی بھی اے چارہ گر شفا — آتی ہے دل کی موت نظر اس شفا کے بعد

یادِ خدا میں جب نہ گئی دل سے اسکی یاد — آگے خدا کا نام ہے ناصح خدا کے بعد

کرتے رہے خطائیں ندامت کے بعد ہم — ہوتی رہی ہمیشہ ندامت خطا کے بعد

آخر کو ماننا پڑا اے نفسِ خیرہ سر — تیرا بھی حکم کم نہیں حکمِ قضا کے بعد

مدت سے تھی دعا کہ "ہوں بدنام شہر شہر"   بارے ہوئی قبول بہت التجا کے بعد

حالی کی سن لو اور صدائیں جگر خراش
دلکش صدا سنو گے نہ پھر اس صدا کے بعد

کہیں خوف اور کہیں غالب ہے رجا اے زاہد
تیرا قبلہ ہے جدا میرا جدا اے زاہد

درگذر گر نہیں کرتا وہ گنہگاروں سے
تو ترا اور کوئی ہوگا خدا اے زاہد

ہم دکھادیں گے کہ زہد اور ہے نیکی کچھ اور
کچھ بہت دور نہیں روز جزا اے زاہد

قرب حق کے لئے کچھ سوز نہاں بھی ہے ضرور
خشک نفلوں میں دھرا کیا ہے بھلا اے زاہد

میں تو تو باریوں دل نہیں ملتا تم سے
تو ہی کہہ اس میں ہے کیا میری خطا اے زاہد

جال جبتک ہے یہ پھیلا ہوا دینداری کا
فکر دنیا کا کرے تیری بلا اے زاہد

عیب حالی کے بہت آج کئے تو نے بیاں
ذکر کچھ اور کر اب اس کے سوا اے زاہد!

ذ

پیاس تیری بوئے ساغر سے لذیذ   بلکہ جام آب کوثر سے لذیذ
جس کا تو قاتل ہو پھر اس کے لئے   کونسی نعمت ہے خنجر سے لذیذ
لطف ہو تیری طرف سے یا عتاب   ہمکو ہے سب شہد و شکر سے لذیذ

قند سے شیریں تری پہلی نگاہ — دوسری قند مکرر سے لذیذ
جھانجھ میں جس بھوک کی بھولے نہ تو — بھوک ہے وہ شیر مادر سے لذیذ
ہے یہ تجھ میں کس کی بو باس اے صبا — بوئے پیرہن مشک و عنبر سے لذیذ
جو قناعت کے ہیں حالی میہمان — اُن کو فاقے ہیں مزعفر سے لذیذ

ہے یہ تکیہ تری عطاؤں پر — وہی اصرار ہے خطاؤں پر
رہیں نا آشنا زمانہ سے — حق ہے تیرا یہ آشناؤں پر
رہرو! باخبر رہو کہ گمان — رہزنی کا ہے رہنماؤں پر
ہے وہ دیر آشنا تو عیب ہے کیا — مرتے ہیں ہم انھیں اداؤں پر
اُسکے کوچہ میں ہیں وہ بے پر و بال — اُڑتے پھرتے ہیں جو ہواؤں پر
شہسواروں پہ بند ہے جو راہ — وقف ہے یاں برہنہ پاؤں پر
نہیں منعم کو اُس کی بوند نصیب — مینہ برستا ہے جو گداؤں پر
نہیں محدود بخششیں تیری — زاہدوں پر نہ پارساؤں پر

حق سے درخواست عفو کی حالی
کیجیے کس منہ سے ان خطاؤں پر

کرتے ہیں سو سو طرح سے جلوہ گر — ایک ہوتا ہے اگر ہم میں ہنر
جانتے ہیں آپ کو پرہیزگار — عیب کوئی کر نہیں سکتے اگر
دوست ایسے ہیں نہ اُسکے آشنا — گو بظاہر سب سے ہیں شیر و شکر
خصلتیں روباہ کی رکھتے ہیں ہم — گو دکھاتے آپ کو ہیں شیر نر
اپنی نیکی کا دلاتے ہیں یقین — کرتے ہیں نفرت بدی سے جسقدر
کرنی پڑتی ہے کسی کی مدح جب — کرتے ہیں تقریر اکثر مختصر

گر کسی کا عیب سن پاتے ہیں ہم — کرتے ہیں رسوا اسے دل کھول کر

کی نہیں جس نے کبھی کوئی بدی — شک کیے ہیں اس سے خواہاں عمر بھر

ایک رنجش میں بھلا دیتے ہیں سب — ہوں کیے گئے ہم پہ لاکھ احساں اگر

عیب کچھ گنتے نہیں اس عیب کو — جس سے ہوں اپنے سوا سب بے خبر

خیر کا ہوتا ہے ظن غالب جہاں — کھینچ کر لاتے ہیں اس کو سوئے شر

بنتے ہوں یاروں کے ناصح تا کہ ہو — عیب ان کا ظاہر اور اپنا ہنر

دوست اک عالم کے پر مطلب کی دوست — ایسے یاروں سے حذر یارو حذر

عیب حالی اپنے یوں کہتا ہے کون
خواہش تحسیں ہے حضرت کو مگر

ہوگی نہ قدر جان کی قرباں کیے بغیر — دام اٹھیں گے نہ جنس کے ارزاں کیے بغیر

گو ہو شفا سے یاس۔ پہ جب تک ہے دم میں دم — بن آئے گی نہ درد کا درماں کیے بغیر

بگڑی ہوئی بہت ہے کچھ اس باغ کی ہوا — یہ باغ کو رہے گی نہ ویراں کیے بغیر

آمادہ دہر۔ پردہ دری پر ہے قوم کی — ستر وصی کو رہے گا نہ عریاں کیے بغیر

عزت نے اپنی۔ یاروں کو کچھ آ پڑی ہے ضد — چھوڑیں گے نیچیاں کو نہ نیچاں کیے بغیر

مشکل بہت ہے گو کہ مٹانا سلف کا نام — مشکل کو ہم ٹلیں گے نہ آساں کیے بغیر

گو مے ہے تند و تلخ۔ پہ ساقی ہے دلربا — اے شیخ بن پڑے گی نہ کچھ ہاں کیے بغیر

تکفیر جو کہ کرتے ہیں اپنا سوئے وقت کی — چھوڑے گا وقت انہیں نہ مسلماں کیے بغیر

حالی کٹے گا کاٹنے ہی سے یہ بھیتوں
حل ہوں گی مشکلیں نہ یہ آساں کیے بغیر

ط
ر

گھر ہے وحشت خیز اور بستی اجاڑ — ہو گئی ایک ایک گھڑی تجھ بن پہاڑ

آج تک قصر امل ہے ناتمام — بندھ چکی ہے بارہا کھل کھل کے پاڑ

ہے پہونچنا اپنا چوٹی تک محال — اے طلب نکلا بہت اونچا پہاڑ

کھیلنا آتا ہے ہم کو بھی شکار — پر نہیں زاہد کوئی ٹٹی کی آڑ

دل نہیں روشن۔ تو ہیں کس کام کے — سو شبستاں میں اگر روشن ہیں جھاڑ

عید اور نوروز ہے سب دل کے ساتھ — دل نہیں حاضر تو دنیا ہے اجاڑ

کھیت رستے پر ہے اور رہرو سوار — کشت ہے سرسبز اور نیچی ہے باڑ

بات واعظ کی کوئی پکڑی گئی — ان دنوں کمتر ہے کچھ ہم پر لتاڑ

تم نے حالی کھول کر ناحق زبان
کر لیا ساری خدائی سے بگاڑ

ز

عہد وصال دل سے بھلایا نہیں ہنوز — عالم مری نظر میں سمایا نہیں ہنوز

پیغام دوست کا کوئی لایا نہیں ہنوز — جھونکا نسیم مصر کا آیا نہیں ہنوز

لگ جائے دل نہ منزل مقصود میں کہیں — ہم جسکو ڈھونڈتے ہیں وہ پایا نہیں ہنوز

ق

آیا ہوگا اس کو تغافل میں کچھ مزا — ذوق نگاہ ہم نے جتایا نہیں ہنوز

ایمن میں آگ لگ چکی اور طور جل چکا — اس نے نقاب رخ سے اٹھایا نہیں ہنوز

یاں دے چکی جواب امید جواب خط — واں نامہ بر نے بار بھی پایا نہیں ہنوز

پایا ہے ذوق و شوق میں ہم کو بھرا ہوا — کافر نے اختلاط بڑھایا نہیں ہنوز

کیا دل سے بعد مرگ بھی جاتی نہ تیری یاد — بھولے ہیں ہم کہ تجھ کو بھلایا نہیں ہنوز

سرمایہ خلافت دو عالم ہے راز دل — باتوں میں ہم نے زہر ملایا نہیں ہنوز

کس نشہ میں ہے چور خدا جانے اسقدر
حالی نے جام منہ سے لگایا نہیں ہنوز

جیتے جی موت کے تم منھ میں نہ جانا ہرگز — دوستو دل نہ لگانا نہ لگانا ہرگز

عشق بھی تاک میں بیٹھا ہے نظر بازوں کی — دیکھنا شیر سے آنکھیں نہ لڑانا ہرگز

زال کی پہلی ہی رستم کو نصیحت یہ تھی — زد میں تیر صف مژگاں کی نہ جانا ہرگز

چاہت اک طلعتِ مکروہ ہے برقع میں نہاں — کسی دلالہ کے دھوکے میں نہ آنا ہرگز

ہاتھ ملنے ہوں پیری میں اگر حسرت سے — تو جوانی میں نہ یہ روگ بسانا ہرگز

جتنے رمنے تھے ترے ہو گئے ویراں ای عشق؟ — آکے ویرانوں میں اب گھر نہ بسانا ہرگز

کوچ سب کر گئے دلی سے ترے قدر شناس — قدر یاں رہ کے اب اپنی نہ گھٹانا ہرگز

تذکرہ دہلی مرحوم کا اے دوست نہ چھیڑ — نہ سنا جائیگا ہم سے یہ فسانا ہرگز

داستاں گل کی خزاں میں نہ سنا ای بلبل — ہنستے ہنستے ہمیں ظالم نہ رلانا ہرگز

ڈھونڈھتا ہے دلِ شوریدہ بہانے مطرب — دردانگیز غزل کوئی نہ گانا ہرگز

صحبتیں اگلی مصور ہمیں یاد آئیں گی — کوئی دلچسپ مرقع نہ دکھانا ہرگز

موجزن دل میں ہیں یاں خون کے دریا ای چشم — دیکھنا ابر سے آنکھیں نہ چرانا ہرگز

لیکے داغ آئیگا سینے پہ بہت ای سیاح — دیکھ اس شہر کے کھنڈروں میں نہ جانا ہرگز

چپے چپے پہ ہیں یاں گوہرِ یکتا تہ خاک — دفن ہوگا کہیں اتنا نہ خزانا ہرگز

مٹ گئے تیرے مٹانے کے نشاں بھی اب تو — اے فلک اس سے زیادہ نہ مٹانا ہرگز

وہ تو بھولے تھے ہمیں ہم بھی انھیں بھول گئے — ایسا بدلا ہے نہ بدلے گا زمانا ہرگز

جسکو زخموں سے حوادث کے اچھوتا سمجھیں — نظر آتا نہیں ایک ایسا گھرانا ہرگز

ہمکو گر تو نے رلایا تو رلایا اے چرخ — ہم پہ غیروں کو تو ظالم نہ ہنسانا ہرگز

یار خود روئیں گے کیا اُنپہ جہاں روتا ہے — اُن کی ہنستی ہوئی شکلوں پہ نہ جانا ہرگز

آخری دور میں بھی تجھ کو قسم ہے ساقی — بھر کے اک جام نہ پیاسوں کو پلانا ہرگز

بخت سوئے ہیں بہت جاگ کر ای دورِ زماں — نہ ابھی نیند کے ماتوں کو جگانا ہرگز

یاں سے رخصت ہو سویرے کہیں اے عیش و نشاط | نہیں اس دَور میں یاں تیرا ٹھکانا ہرگز

کبھی اے علم و ہنر گھر تھا تمھارا دلّی | ہم کو بھولے ہو تو گھر بھول نہ جانا ہرگز

شاعری مر چکی اب زندہ نہ ہوگی یارو | یاد کر کر کے اُسے جی نہ کڑھانا ہرگز

غالبؔ و شیفتہؔ و نیرؔ و آزردہؔ و ذوقؔ | اب دکھائیگا یہ شکلیں نہ زمانا ہرگز

مومنؔ و علویؔ و صہبائیؔ و ممنونؔ کے بعد | شعر کا نام نہ لے گا کوئی دانا ہرگز

کر دیا مر کے یگانوں نے یگانہ ہم کو | ورنہ یاں کوئی نہ تھا ہم میں یگانہ ہرگز

داغؔ و مجروحؔ کو سن لو کہ پھر اِس گلشن میں | نہ سُنے گا کوئی بلبل کا ترانہ ہرگز

رات آخر ہوئی اور بزم ہوئی زیر و زبر | اب نہ دیکھوگے کبھی لطفِ شبانہ ہرگز

بزم ماتم تو نہیں بزم سخن ہے حالیؔ
یاں مناسب نہیں رو رو کے رُلانا ہرگز

رنجش و التفات و ناز و نیاز | ہمنے دیکھے بہت نشیب و فراز

عشق کی آنچ اُس میں پاتا ہوں | دل ذرا دیکھتا ہوں جس کا گداز

شیخ! اللہ رے تیری عیّاری | کس توجہ سے پڑھ رہا ہے نماز

اِک پتے کی جو ہمنے کہدی آج | رنگ واعظ کا کر گیا پرواز

ہم کو نسبت پہ فخر ہے تیری | تو گئی بھول ہمکو خاکِ حجاز

آج منکر بھی ناچ اُٹھیں گے | گر مغنی کی ہے یہی آواز

قطعہ

خیر ہے[1] اے فلک کہ چار طرف ۱ | چل رہی ہیں ہوائیں کچھ ناساز

رنگ بدلا ہوا ہے عالم کا ۲ | ہیں دگرگوں زمانہ کے انداز

ہوتے جاتے ہیں زور مند ضعیف ۳ | بنتے جاتے ہیں مبتذل ممتاز

---

[1] یہ قطعہ اُس وقت لکھا گیا تھا جبکہ ترکی کو سلطان عبدالعزیز خاں کے قتل کے بعد سرویہ - مانٹینگرو اور روس وغیرہ کے مقابلہ میں اخیر صدمہ پہونچا - ۱۲

چھپتے پھرتے ہیں کبک ڈر کے ہتوسے ۴ گھونسلوں میں عقاب اور شہباز
ہے نہتوں کو رہگذر میں خطر ۵ رہزنوں نے کئے ہیں ہاتھ دراز
ٹڈیوں کا ہے کھیتیوں پہ ہجوم ۶ بھیڑیوں کے ہیں خون میں تر لب آز
ناتوانوں پہ گدھ ہیں منڈلاتے ۷ گھائلوں پہ ہیں ہیز تیر انداز
تشنۂ خون ہیں بھوکے شیروں کے ۸ حیلہ گر روبہوں کے عشوہ و ناز
دشمنوں کے ہیں دست خود جاسوس ۹ اور یاروں کے یار ہیں غماز
ہوگا انجام دیکھئے کیا کچھ ۱۰ ہے پر آشوب جبکہ یہ آغاز
لے ابھی تک کھلی نہیں لیکن ۱۱ غیب سے آرہی ہے کچھ آواز
وقت نازک ہے اپنے بیڑے پر ۱۲ موج ہائل ہے اور ہوا ناساز
یا تھپیڑے ہوا کے لے ابھرے ۱۳ یا گیا کشمکش میں ڈوب جہاز
کام اُسے اپنے سونپ دو حالی ۱۴ نہیں جس کا شریک اور انباز
ہے وہ مالک ڈبوئے خواہ ترائے ۱۵ چارہ یاں کیا ہے غیر عجز و نیاز

س

جاذب رحمت ہے مقناطیس عصیاں اپنے پاس
رکھتے ہیں عاصی کمند صید غفراں اپنے پاس
عاجزوں سے مقتدر کرتے ہیں اکثر در گذر
عجز اپنا ہے کلید باب رضواں اپنے پاس
ہوگئی گر کچھ سمجھنے میں خطا فرمان کے
عذر خواہ اپنا ہے خود فرمان سلطاں اپنے پاس
بام بتلایا بلند اور نارسا بخشی کمند
رکھتے ہیں ہم اپنی معذوری پہ برہاں اپنے پاس

خاک میں ہمنے ملا رکھی ہے اکسیر اپنی آپ
ورنہ ہے ہر درد کا موجود درماں اپنے پاس

دست بردِ اہرمن کا جس کو کچھ کھٹکا نہیں
ہے بحمد اللہ وہ مہرِ سلیماں اپنے پاس

دیکھنا حالی نہ دینا وضع فطرت کو بدل
ہے یہ دستاویز استخلافِ رحماں اپنے پاس

چھیڑ اب نہ اے تصورِ مژگانِ یار بس
کافی ہے خار خارِ غمِ روزگار بس

یہ غم نہیں ہے وہ جسے کوئی بٹا سکے
غمخواری اپنی رہنے دے اے غمگسار بس

ہر داغ فصلِ گل کی نشانی ہے اے صبا
گلگشت کو بہت ہے دلِ داغدار بس

ڈر ہے دلوں کے ساتھ امیدیں بھی پس نجائیں
اے آسیائے گردشِ لیل و نہار بس

دیں غیر دشمنی کا ہماری خیال چھوڑ
یاں دشمنی کے واسطے کافی ہیں یار بس

آتا نہیں نظر کہ ہو یہ رات اب سحر
کی نیند کیوں حرام بس اے انتظار بس

تھوڑی ہے رات اور کہانی بہت بڑی
حالی نکل سکیں گے نہ دل کے بخار بس

ش

اک ہم کو مہم بر سر ایام ہے درپیش
بنتا نظر آتا نہیں جو کام ہے درپیش

غفلت ہے کہ گھیرے ہوئے ہے چار طرف سے
اور معرکۂ گردشِ ایام ہے درپیش

وہ دن گئے جب تھا مرضِ ضعف کا آغاز
اب اس مرضِ ضعف کا انجام ہے درپیش

گو صبح بھی تھی روزِ مصیبت کی قیامت
پر صبح تو جوں توں کٹی اب شام ہے درپیش

وہ وقت گیا نشہ تھا زوروں پہ جب اپنا
اب وقت خمارِ مئے گلفام ہے درپیش

امید شنا کا تو جواب آ ہی چکا ہے
اب موت کا سننا ہمیں پیغام ہے درپیش

جی اس کا کسی کام میں لگتا نہیں زنہار
ظاہر ہے کہ حالی کو کوئی کام ہے درپیش

ص

ہر بشر سے اسکی مختص ہیں عطائیں خاص خاص
ہر مرض کو راس ہیں جیسے دوائیں خاص خاص

دل تو اپنا پھر چکا ہے زال دنیا سے ۔ مگر
رہزنِ دل ہیں ابھی اس کی ادائیں خاص خاص

گو زمانے نے بھلا دی دل سے اپنے فصلِ گل
یاد ہیں لیکن وہ بلبل کی صدائیں خاص خاص

زہد و تقویٰ ہی سے نہیں ہوتیں دعائیں مستجاب
وقت ہیں کچھ خاص خاص اور ہیں ادائیں خاص خاص

یوں تو ہے امید سب کچھ ۔ پر نہوں شاید معاف
وہ جو کی ہیں ہمنے اے حالی خطائیں خاص خاص

درد ۔ اور درد کی ہو سب کے دوا ۔ ایک ہی شخص
یاں ہے جلاد و مسیحا بخدا ایک ہی شخص

حور و غلماں کے لئے لائیں دل آخر کس کا
ہونے دیتا نہیں یاں عہدہ برآ ایک ہی شخص

قافلے گذریں وہاں کیونکہ سلامت واعظ
ہو جہاں راہزن اور راہنما ایک ہی شخص

قیس سا پھر کوئی اٹھا نہ بنی عامر میں
فخر ہوتا ہے گھرانے کا سدا ایک ہی شخص

جلوے دیکھے ہیں جن لوگوں کے ان آنکھوں نے

آج ویسا کوئی دے ہمکو دکھا ایک ہی شخص

گھر میں برکت ہو۔ مگر فیض ہو جاری شب و روز

کچھ سہی شیخ۔ مگر ہے بخدا ایک ہی شخص

اعتراضوں کا زمانہ کے ہی حالی پہ نچوڑ

شاعر اب ساری خدائی میں ہو کیا ایک ہی شخص!

ض

عشق کو ترکِ جنوں سے کیا غرض ۔۔۔ چرخِ گرداں کو سکوں سے کیا غرض

دل میں ہے اے خضر گر صدقِ طلب ۔۔۔ راہرو کو رہنموں سے کیا غرض

حاجیو! ہے ہم کو گھر والے سے کام ۔۔۔ گھر کے محراب و ستوں سے کیا غرض

گنگنا کر آپ رو پڑتے ہیں جو ۔۔۔ اُن کو چنگ و ارغنوں سے کیا غرض

نیک کہنا نیک جس کو دیکھنا ۔۔۔ ہم کو تفتیشِ دروں سے کیا غرض

دوست ہیں جب زخمِ دل سے بیخبر ۔۔۔ اُنکو اپنے اشکِ خوں سے کیا غرض

عشق سے ہے مجتنب زاہد عبث ۔۔۔ شیر کو صیدِ زبوں سے کیا غرض

کر چکا جب شیخ تسخیرِ قلوب ۔۔۔ اب اُسے دُنیائے دوں سے کیا غرض

آئے ہو حالی پئے تسلیم یاں

آپ کو چون و چگوں سے کیا غرض

دوست کا نا روا نہیں اعراض ۔۔۔ دوستوں ہی کا کام ہے اغماض

چاہیے ایک سب کا ہو مقصود ۔۔۔ گو ہوں سب کے جدا جدا اغراض

یاد میں تیری سب کو بھول گئے ۔۔۔ کھو دیئے ایک دُکھ نے سب امراض

دیکھئے تو بھی خوش ہے یا ناخوش ۔۔۔ اور تو ہم سے سب ہیں کچھ ناراض

لَا اُبَالِیْ اَنْ تُعَابَ تَبَغُّضاً　کُلُّ نَاسٍ وَّاَنْتَ عَنِّیْ رَاضٍ

منعمو! بذلِ خیر میں یہ دریغ　اپنا مطلب اور اسپہ سنوا اغماض

حق میں اپنوں کے سخت ممسک ہیں　جو کہ اوروں کے حق میں ہیں فیاض

رائے ہے کچھ علیل سی تیری　نبض اپنی بھی دیکھ اے نبّاض

وعظ میں گل کترتے ہیں واعظ　منہ میں نکلے زباں ہے یا مقراض

ہے فقیہوں میں اور ہم میں نزاع　هَلْ لَنَا فِیْ نِزَاعِنَا مِنْ قَاضٍ

ہے ریاضت پہ ناز کیا زاہد　خارکش تجھ سے ہے سوا مرتاض

شیخ کی تھی یہ آخری تلقین　چاہیے زر تو اس سے کر اعراض

ایسی غزلیں سنی نہ تھیں حالی
یہ نکالی کہاں سے تم نے بیاض؟

ط

رات گذری ہو چکا دورِ نشاط　طے ہوئی بس اب کوئی دم میں بساط

دل کی خوشیاں ہو گئیں اب گوشہ گیر　نام تھا شاید جوانی کا نشاط

دن اب ایسے دل منقبض رہنے کے ہیں　ہو چکا ہونا تھا جو کچھ انبساط

غنچہ چٹکا اور آ پہنچی خزاں　فصلِ گل کی تھی فقط اتنی بساط

زینۂ منبر ہے لغزش کی جگہ　جانیو واعظ اسے راہِ صراط

تو بھی کھانے میں نہیں محتاط شیخ!　ہم کریں پینے میں کیوں پھر احتیاط

گو بہت کی حالی کر دنیا داریاں
ہے تو ہی میں دمبدم اب اختلاط

ظ

چھپے ہیں حریفوں میں اسرارِ واعظ

بُرا کہہ نہ رندوں کو زنہار واعظ
سدا قہر ہی قہر ہے عاصیوں پر
نہ ستار ہے تو نہ غفار واعظ
سہل آ گئی مے کشی کی بھی حلت
کوئی مل گیا گر ہمیں یار واعظ
کوئی بات دیکھی نہیں تجھ میں لیکن
سنا ہے کہ ہوتے ہیں عیار واعظ
ہمیں اور بھی تجھ سے کرتے ہیں بدظن
یہ جبہ یہ ریش اور یہ دستار واعظ
نہ چھوڑے گا زیور گھروں میں نہ زر تو
یہی ہے اگر حسنِ گفتار واعظ
مسلماں نہ ہم کاش حالی کو کہتے
ہوئے بات کہہ کر گنہگار واعظ!

ع

اے بہارِ زندگانی الوداع — اے شبابِ شادمانی الوداع
اے بیا ہیں صبحِ پیری السلام — اے شبِ قدرِ جوانی الوداع
السلام اے قاصدِ ملکِ بقا — الوداع اے عمرِ فانی الوداع
روزگارِ ضعف و سستی السلام — وقتِ سعی و جانفشانی الوداع

قطعہ

فرصتِ عشق و جوانی الفراق ۱ — دورِ عیش و کامرانی الوداع
مجھکو سمجھے تھے نعیمِ جاوداں ۲ — اے نعیمِ جاودانی الوداع
تیرے جاتے ہی گئیں سب نعمتیں ۳ — اے خدا کی مہربانی الوداع

آ لگا حالی کنارے پر جہاز
الوداع اے زندگانی الوداع

غ

کل کبک سے چمن میں یہ کہتا تھا ایک زاغ
دیکھ اس خرام ناز پہ اتنا نہ کر دماغ

ہے تاک میں عقاب تو شہباز گھات میں
حملے سے یاں اجل کے نہیں ایکدم فراغ

یارب نگاہ بد سے چمن کو بچائیو
بلبل بہت ہے دیکھ کے پھولوں کو باغ باغ

دو چار گام نقش قدم چل کے رہ گئے
آگے چلا نہ آہوئے مشکیں کا کچھ سراغ

آئیں پئیں وہ شوق سے جو اہل ظرف ہوں
ساقی بھرے کھڑا ہے مے لعل سے ایاغ

جنگل میں تختۂ گل خود رو کو دیکھ کر
تازہ ہوا زمانہ کی نادریوں کا داغ

حالی بھی پڑھنے آئے تھے کچھ بزم شعر میں
باری جب ان کی آئی کہ گل ہو گئے چراغ

ف

حق نہ ملا نے کچھ بتایا صاف — اور نہ صوفی نے کچھ دکھایا صاف
آنکھ اپنی ہی جب تلک نہ کھلی — مہر روشن نظر نہ آیا صاف
کبھی ڈھونڈے سے بھی نہ پائیں گے ہم — صاف تھا آپ سے پتا پایا صاف

زاہد ہم تو تھے ہی آلودہ — تم کو بھی ہم نے کچھ نہ پایا صاف
کیوں فقیہوں سے تنگ ہے حالی
بھید تم نے نہ کچھ بتایا صاف

ق

نہ ہم ہیں یار کی محفل میں بار کے لائق — نہ اپنا کلبۂ احزاں ہے یار کے لائق
کریگا کیا ترا کحل الجواہر اے کحال — نہیں یہ آنکھ ہی دیدار یار کے لائق
مکان عاریتی اور لباس بوسیدہ — بہت ہے زندگی مستعار کے لائق
غرور و حرص ہیں زیور عروس دنیا کے — بنائے تھے یہی اس نابکار کے لائق
کرے گی باد بہار آکے اب کسے سرسبز — رہا نہ باغ قدوم بہار کے لائق
بس اب ہے فضلۂ روباہ و گرگ پر گذران — رہا نہ شیر ژیاں خود شکار کے لائق
گنہ کا عذر کریں کس سبب ہم آنکھوں سے — ہمارے جرم ہیں گو اعتذار کے لائق
گرہ میں دام نہ دفتر میں نام ہی حالی — تمہیں تو شہر میں ہو اعتبار کے لائق
یہ ہم نے مانا کہ تم میں ہنر بھی ہیں کچھ کچھ — مگر نہیں کوئی خوبی شمار کے لائق

ک

دلوں کا کھوٹ اگر کہئے بر ملا ایک ایک — تو آشنا سے ہو بیگانہ آشنا ایک ایک
سلامتی کو وہاں قافلوں کی رو بیٹھیں — جہاں ہو راہزن خلق رہنما ایک ایک
زمانہ پھر نظر آتا ہے کچھ ترقی پہ — بنا ہے خوش زباں آجکل گدا ایک ایک
رہا ہوں رند بھی اور شیخ پارسا بھی ہیں — مری نگاہ میں ہے رند و پارسا ایک ایک
وفا کی ایک بھی ہم سے امید ہو اس وقت — کہ یار یار سے ہو جائیگا جدا ایک ایک
چھپا سکے اس سے قصور اپنے ہم بہت شرما — جب آپ منہ سے لگی بولنے خطا ایک ایک
ہوا نہ ایک بھی حق اسکی بندگی کا ادا — کیا ہے جس نے حق خدا جلی ادا ایک ایک

امیرِ حاج کی ہمت میں گر نہ آئے قصور — تو موجِ بحر ہو کشتی کی ناخدا ایک ایک

ہم آج بیٹھے ہیں ترتیب کرنے دفتر کو — ورق جب اسکا اُڑا لے گئی ہوا ایک ایک

بہار نے بھی نہ بلبل تری بجھائی آگ — جگر کے پار ہے اب بھی تری نوا ایک ایک

وہ عشق ہے نہ جوانی۔ وہ تو ہوا اب نہ وہ ہم — پہ دل پہ نقش ہے ابتک تری ادا ایک ایک

نہ ہم رہیں گے نہ حالی۔ پہ بعزاشِ جہاں
رہیگی حالیِ دلگیر کی صدا ایک ایک

غزل

عالمِ آزادگاں ہے اک جہاں سب سے الگ
ہے زمیں اُن کی اور اُن کا آسماں سب سے الگ

پاک ہیں آلائشوں میں۔ بندشوں ہیں بے لگاؤ
رہتے ہیں دُنیا میں سب کے درمیاں سب سے الگ

دوست کے ہیں جان نثار اپنا ہو یا بیگانہ ہو
ہے عشیرہ اور اُن کا دودماں سب سے الگ

سب کی سُن لیتے ہیں لیکن اپنی کچھ کہتے نہیں
ہے کوئی بھیدی اور اُن کا رازداں سب سے الگ

جانچتے اوروں کو ہیں خود لے کے اپنا امتحان
رکھتے ہیں اپنا طریقِ امتحاں سب سے الگ

اک چمن بہرِ تفرّج رکھتے ہیں زیرِ بغل
روضۂ و بستانِ فردوسِ جناں سب سے الگ

کلبۂ احزاں ہے روشن اُن کا جس مہتاب سے
ہے وہ نورِ مہر و ماہ و کہکشاں سب سے الگ

رہ گئے ہیں کچھ کچھ آثارِ سلف
اور ابھی ہوتا ہے شاید مبتذل

اک سنبھلتے ہم نظر آتے نہیں
ورنہ گر گر کر گئے لاکھوں سنبھل

کب تلک آخر ٹھہر سکتا ہے وہ گھر
آگیا بنیاد میں جس کی خلل

ناؤ ڈوبے یا اسے کھیوا ہو پار
تیری حد بھی ہے کچھ اے طولِ اَمَل

اب لگاؤ پود کچھ اپنی نئی
لا چکے پودے بہت اگلوں کے پھل

دیکھئے بنتا ہے کب تک اپنی وضع
ہم نہ بدلے اور گیا عالم بدل

کوششوں میں کچھ مزا آتا نہیں
وقت کوشش کا گیا شاید نکل

اب سنو حالی کے نوحے عمر بھر
ہو چکا ہنگامۂ مدح و غزل

م

مدرسہ میں دہر کے رو بہ قضا بیٹھے تھے ہم
اُٹھے بس ویسے ہی کورے جیسے جا بیٹھے تھے ہم

پھر وہی ہم ہیں کہ ہر عشوہ پہ ہیں کافر کے لوٹ
زالِ دنیا سے ابھی ہو کر خفا بیٹھے تھے ہم

صحبتیں اہلِ ورع کی سب گئیں نظروں سے گر
بزمِ رنداں میں یونہیں اک روز جا بیٹھے تھے ہم

شیخ! دُنیا کی حقیقت رہ گئے دُنیا میں کھل
ورنہ دھوکا - دور سے دیکھ اسکو کھا بیٹھے تھے ہم

ہم نہ تھے آگاہ واعظ زشت خوئی سے تری
آدمی تجھ کو سمجھ کر پاس آ بیٹھے تھے ہم

سعی کا انجام پہلے ہی سے آتا تھا نظر

ہاتھ ساحل ہی پہ بیڑے سے اٹھا بیٹھے تھے ہم

ہے خود دنیا ہی بے پایاں نہ حالیؔ ورنہ یاں
دین تک دنیا کی قیمت میں لگا بیٹھے تھے ہم

خوبیاں اپنے میں گو بے انتہا پاتے ہیں ہم
پر ہر اک خوبی میں داغ اک عیب کا پاتے ہیں ہم

خوف کا کوئی نشاں ظاہر نہیں افعال میں
گو کہ دل میں متصل خوفِ خدا پاتے ہیں ہم

کرتے ہیں طاعت تو کچھ خواہاں نمائش کے نہیں
پر گنہ چھپ چھپ کے کرنے میں مزا پاتے ہیں ہم

دیدہ و دل کو خیانت سے نہیں رکھ سکتے باز
گرچہ دست و پا کو اکثر بے خطا پاتے ہیں ہم

دل میں دردِ عشق نے مدت سے کر رکھا ہے گھر
پر اسے آلودۂ حرص و ہوا پاتے ہیں ہم

ہو کے نادم جرم سے پھر جرم کرتے ہیں وہی
جرم سے گو آپ کو نادم سدا پاتے ہیں ہم

ہیں فدا اُن دوستوں پر جن میں ہو صدق و صفا
پر بہت کم آپ میں صدق و صفا پاتے ہیں ہم

گر کسی کو آپ سے ہونے نہیں دیتے خفا
اک جہاں سے آپ کو لیکن خفا پاتے ہیں ہم

جانتے اپنے سوا سب کو ہیں بے مہر و وفا
اپنے میں گر شمۂ مہر و وفا پاتے ہیں ہم

بخل سے منسوب کرتے ہیں زمانہ کو سدا
گر کبھی توفیقِ ایثار و عطا پاتے ہیں ہم

ہو اگر مقصد میں ناکامی تو کر سکتے ہیں صبر
دردِ خود کامی کو لیکن بے دوا پاتے ہیں ہم

ٹھہرتے جاتے ہیں جتنے چشمِ عالم میں بھلے
حالِ نفسِ دُوں کا اتنا ہی بُرا پاتے ہیں ہم

جسقدر جھک جھک کے ملتے ہیں بزرگ و خرد سے
کبر و ناز اتنا ہی اپنے میں سوا پاتے ہیں ہم

گو بھلائی کر کے ہمجنسوں سے خوش ہوتا ہے جی
تہ نشیں اس میں مگر دُردِ ریا پاتے ہیں ہم

ہے ردائے نیکنامی دوش پر اپنے مگر
داغِ رسوائی کے کچھ زیرِ ردا پاتے ہیں ہم

راہ کے طالب ہیں پر بے راہ پڑتے ہیں قدم
دیکھئے کیا ڈھونڈتے ہیں اور کیا پاتے ہیں ہم

نور کے تڑکے گلے دیکھے ہیں اے حالی مگر
رنگ کچھ تیری الاپوں میں نیا پاتے ہیں ہم

آگے بڑھے نہ قصۂ عشقِ بتاں سے ہم
سب کچھ کہا مگر نہ کھلے رازداں سے ہم

اب بھاگتے ہیں سایۂ عشقِ بتاں سے ہم
کچھ دل سے ہیں ڈرے ہوئے کچھ آسماں سے ہم

خود رفتگیِ شب کا مزا بھولتا نہیں
آئے ہیں آج آپ میں یارب کہاں سے ہم

دردِ فراق و رشکِ عدو تک گراں نہیں
تنگ آ گئے ہیں اپنے دلِ شادماں سے ہم

جنت میں تو نہیں اگر یہ زخمِ تیغِ عشق
بدلیں گے تجھ کو زندگیِ جاوداں سے ہم

لینے دو چین کوئی دم اے منکر و نکیر آئے ہیں آج چھوٹ کے قیدِ گراں سے ہم

ہنستے ہیں اس کے گریۂ بے اختیار پر بھولے ہیں بات کہہ کے کوئی راز داں سے ہم

اب شوق سے بگاڑ کی باتیں کیا کرو کچھ پا گئے ہیں آپ کی طرزِ بیاں سے ہم

دلکش ہر ایک قطعۂ صحرا ہے راہ میں ملتے ہیں جا کے دیکھئے کب کارواں سے ہم

لذت ترے کلام میں آئی کہاں سے یہ؟
پوچھیں گے جا کے حالیؔ جادو بیاں سے ہم

ن

یاروں کو تجھ سے حالیؔ اب سرگرانیاں ہیں
نیندیں اُچاٹ دیتی تیری کہانیاں ہیں

یاد اس کی دل سے دھو دے اے چشم تر تو مانوں
اب دیکھنی مجھے بھی تیری روانیاں ہیں

بنتے ہیں غیر اپنے ہوتے ہیں رام وحشی
اُلفت کی بھی جہاں میں کیا حکمرانیاں ہیں

غیبت ہو یا حضوری دونوں بُری ہیں تیری
جب بدگمانیاں تھیں اب بدزبانیاں ہیں

کہتے ہیں جس کو جنت وہ اک جھلک ہے تیری
سب واعظوں کی باقی رنگیں بیانیاں ہیں

رحمت تری غذا ہے غصہ ترا دوا ہے
شاہد ہیں تیری جتنی جانِ جہانیاں ہیں

ہوگا تو پہلے ہوگا اے چرخ مہرباں تو
کچھ ان دنوں تو ہم پر نامہربانیاں ہیں

اپنی نظر میں بھی یاں اب تو حقیر ہیں ہم
بے غیرتی کی یارو اب زندگانیاں ہیں

روتے ہیں چار ہم پر ہنستے ہیں چار ہم پر
یاں تک ہماری پہونچی اب ناتوانیاں ہیں

ہر حکم پہ ہوں راضی ہر حال میں رہیں خوش
حصّہ میں اب ہمارے یہ شادمانیاں ہیں

خاور سے باختر تک جن کے نشاں تھے برپا
کچھ مقبروں میں باقی اُن کی نشانیاں ہیں

دیکھا نہیں ابھی کچھ قحط الرجال تم نے
اس سے بھی سخت آتی آگے گرانیاں ہیں

کھیتوں کو دے لو پانی اب بہہ رہی ہے گنگا
کچھ کر لو نوجوانو اُٹھتی جوانیاں ہیں

فضل و ہنر بڑوں کے گر تم میں ہوں تو جانیں
گر یہ نہیں تو بابا وہ سب کہانیاں ہیں

رونے میں تیرے حالی لذت ہے کچھ نرالی
یہ خوں فشانیاں ہیں یا گل فشانیاں ہیں

جب سے سُنی ہے تیری حقیقت چین نہیں اک آن ہمیں
اب نہ سنیں گے ذکر کسی کا آگے کو ہوئے کان ہمیں

کچھ روزوں غفلت میں پھرے یاں ڈھونڈتے ہم آسائش کو
کھل گئی جب دُنیا کی حقیقت کچھ نہ رہا خلجان ہمیں

چل کے نئی اک چال فلک نے کھو دیئے ہوش حریفوں کے

زور سے بچیں یا مانیں قبول اتنے نہیں اوسان ہمیں

پاس انھیں گر اپنا ذرا ہو - جان اپنی بھی اُن پہ فدا ہو
کرتے ہیں خود نا منصفیاں اور کہتے ہیں نافرمان ہمیں

داد طلب سب غیر ہوں جب تو ان میں کسی کا پاس نہ ہو
بتلائی ہے زمانہ نے انصاف کی یہ پہچان ہمیں

صحرا میں کچھ بکریوں کو قصاب چراتا پھرتا تھا
دیکھ کے اُس کو سارے تمھارے آ گئے یاد احسان ہمیں

یاں تو بدولت زہد و ورع کے بنج گئی خاصی عزت سہی
بن نہ پڑا پر کل کے لئے جو کرنا تھا سامان ہمیں

سُر تھے وُہی اور تال وُہی پر راگنی کچھ بے وقت سی تھی
غل تو بہت یاروں نے مچایا پر - گئے اکثر مان ہمیں

غیر سے اب وہ بیر نہیں اور یار سے اب وہ پیار نہیں
بس کوئی دن کا اب حالی یاں سمجھو تم مہمان ہمیں

کی تو ہیں ہمنے بھی حالی کوچ کی تیاریاں — سُوجھتی ہیں راہ میں لیکن بہت دشواریاں
خواب راحت میں شہ وہ لذت تیری اے پیری نہیں — جو جوانی میں مزا دیتی تھیں شب بیداریاں
ہیں اگر بیدردیاں اپنوں کی دل کو ناگوار — ناگوار اُن سے سوا غیروں کی ہیں غمخواریاں
ہے کہیں اقبال کی نوبت کہیں ادبار کی — سب کو کرنی ہونگی پوری اپنی اپنی باریاں
زیست بیعقلوں کو ہو جائے بسر کرنی محال — اتنی بھی اے عاقلو اچھی نہیں ہُشیاریاں
بے مزہ ہے اہل دیں کی ترشروئی بھی مگر — اس سے پھیکی اہل دُنیا کی ہے ظاہرداریاں

گو طبیعت سے گئے سب مادے فاسد نکل
کم ہوئیں حالی نہ لیکن نفس کی بیماریاں

رازِ دل کی سرِ بازار خبر کرتے ہیں
آج ہم شہر میں خون اپنا ہدر کرتے ہیں

عقل کی بات کوئی ہمنے کہی ہے شاید
جلتی جلتے ہیں سب ہمسے حذر کرتے ہیں

جرمِ خالق سے سوا پاتے ہیں جرمِ فقہا
جب کہ ہم اپنے جرائم پہ نظر کرتے ہیں

کم سے کم وعظ میں اتنا تو اثر ہو واعظ!
بول قوال کے جو دلمیں اثر کرتے ہیں

زہد و طاعت کا سہارا نہیں جبکے زاہد
یاد اللہ کو ہم آٹھ پہر کرتے ہیں

عیب یہ ہے کہ کرو عیب - ہنر دکھلاؤ
ورنہ یاں عیب تو سب فردِ بشر کرتے ہیں

غم و رنج و مصیبت پہ کرو ناز کہ وہ
دل دکھاتے ہیں وہی جسمیں کہ گھر کرتے ہیں

جی رکاوٹ سے جو انکی کبھی رک جاتا ہے
اک لگاوٹ میں ادھر سے وہ ادھر کرتے ہیں

اک یہاں جینے سے بیزار ہمیں ہیں یا رب
یا اسی طرح سے سب عمر بسر کرتے ہیں

تلخیاں زیست کی تھوڑی سی رہی ہیں باقی
یہ ہم بھی جو خدا چاہے تو سر کرتے ہیں

قیصر و زار کا یاں پیٹ تو بھرنا معلوم
بس ہماری ہی طرح وہ بھی گذر کرتے ہیں

کہیں افطار کا حیلہ تو نہ ہو یہ حالی
آپ اکثر رمضان ہی میں سفر کرتے ہیں

دیکھنا ہر طرف نہ مجلس میں
رخنے نکلیں گے سیکڑوں اس میں

کی نصیحت بری طرح ناصح
اور اک لون ملا دیا بس میں

ہو نہ بینا تو فرق پھر کیا ہے
چشمِ انسان و چشمِ نرگس میں

بیقدم دم ہیں خانقاہوں میں
بے عمل علم ہیں مدارس میں

دین اور فقر تھے کبھی کچھ چیز
اب دھرا کیا ہے اسمیں اور اسمیں

ہو قبضے میں جب عنانِ فرس
ہیچ ہیں جو ہنر ہیں فارس میں

جس سے نفرت ہے اہلِ نعمت کو
وہی نعمت ہے چشمِ مفلس میں

ہو فرشتہ بھی تو نہیں انسان
درد تھوڑا بہت نہ ہو جس میں

جانور - آدمی - فرشتہ - خدا
آدمی کی ہیں سیکڑوں قسمیں

آج کل چرخ صلح جو ہے بہت
دیکھئے ہو بگاڑ کس کس میں

کی ہے خلوت پسند حالی نے
اب نہ دیکھو گے اُس کو مجلس میں

بوالہوس عشق کی لذت سے خبردار نہیں
ہیں مے ناب کے دلال۔ قدح خوار نہیں

شہر میں اُن کے نہیں جنسِ وفا کی بکری
بھاؤ ہیں پوچھتے پھرتے پہ خریدار نہیں

کون سے وہ گلِ رعنا پہ نواسنج نہیں؟
کون سی نرگسِ شہلا کے وہ بیمار نہیں؟

کبھی لیلیٰ پہ ہیں مفتوں کبھی شیریں پہ فدا
اور جو پھر دیکھو تو دونوں سے سروکار نہیں

اُٹھ نہیں سکتی سزا جرمِ وفا کی اُن سے
دل پھنسا کر کہیں بنتے وہ گنہگار نہیں

عیش میں جان فدا کرنے کو تیار ہیں وہ
اور جو ہو کیل کا کھٹکا بھی تو پھر یار نہیں

نت نیا ذائقہ چکھنے کا ہے لپکا اُن کو
دربدر جھانکتے پھرنے سے اُنھیں عار نہیں

بوالہوس۔ کام طلب۔ بندۂ نفس۔ اہلِ ہوا
ایک عالم ہے اسی رنگ میں دو چار نہیں

دعوئ عشق و محبت پہ نہ جانا اُن کے
اِن میں گفتار ہی گفتار ہے۔ کردار نہیں

کہے حالی بھی اگر عاشقِ صادق ہوں میں
کہہ دو واللہ کہ صادق نہیں زنہار نہیں •

پھونکا ہے فصلِ گل نے صور آکے پھر چمن میں
اک حشر سا ہے برپا مرغانِ نغمہ زن میں
بلبل کے آگ سی کچھ تن من میں لگ رہی ہے
بجلی گری فلک سے یا گل کھلا چمن میں
بادِ صبا گئی پھونک کیا جانے کان میں کیا!
پھولے نہیں سماتے غنچے جو پیرہن میں

چپ ہے زبانِ سوسن حیراں ہے چشمِ نرگس
قدرت کا دیکھ جلوہ نسرین و نسترن میں

ہیں اور تو ادائیں ساری سہی قدوں کی
پڑتی ہے جان باقی بس سرو و نارون میں

ہے عید اہلِ اسلام یا موسمِ بہاراں
جنگل بسا ہوا ہے سب عطرِ یاسمن میں

منہ سے دھواں سا اُٹھا۔ لیتے ہی نام اسلام
بارود بچھ رہی تھی گویا لب و دہن میں

پھر زخم پھوٹ نکلا۔ حالی نہ چھیڑنا تھا
فصلِ خزاں کا قصہ ذکرِ گل و سمن میں

گو رو چکے ہیں دکھڑا۔ سو بار قوم کا ہم
پر تازگی وہی ہے اس قصۂ کہن میں

وہ قوم جو جہاں میں کل صدرِ انجمن تھی
تم نے سنا بھی؟ اُس پر کیا گذری انجمن میں

پائینِ بزم بھی اب ملتی نہیں اُسے جا
رَوندن میں ہے وہ گلبن پھولا تھا جو چمن میں

روباہ کی جون میں ہے مرعوب اب وہ ملت
تھی سہمناک کل تک جو شیر کے بدن میں

وہ دن گئے کہ حکمت تھی مستندِ یمن[۵] کی

۵؎ یمن کی نسبت حدیث میں آیا ہے کہ "الایمان یمان والحکمۃ یمانیۃ" یعنی ایمان ہے تو یمن کا ہے اور حکمت ہے تو یمن کی ہے۔ اسی بنا پر میر باقر داماد نے اپنے فلسفہ کا نام "حکمت یمانیہ" رکھا ہے۔ ۱۲

ہے اب بجائے حکمت خاک اُڑ رہی یمن میں
وہ دِن گئے کہ موتی مشہور تھے عدن کے
ہے کال موتیوں کا اب شہر بسر عدن میں
قبر اویسؓ پر ہے بس فخر اب قرن کو
زندہ اویسؓ کوئی باقی نہیں قرن میں
اِس باغ کی خزاں نے کچھ خاک سی اُڑا دی
فصلِ بہار گویا آئی نہ تھی چمن میں
ڈالی نہ ہوگی آگے اے دَورِ چرخ شاید
جو آب کے تو نے ہل چل ڈالی ہے انجمن میں
فوج اور سپہ دونوں پھرتی ہیں بے سری سی
گویا امیرِ لشکر مارا گیا ہے رَن میں
خرد و بزرگ سارے۔ ہیں بدحواس گویا
لٹنے کی قافلے کے پہونچی خبر وطن میں
بھولی ہوئی ہیں ڈاریں ہر نوں کی۔ چوکڑی سب
جائیں کدھر کہ ہر سُو دَوں لگ رہی ہے بَن میں
حالیؔ بس اب نہیں یاں سُننے کی تاب باقی
مانا کہ ہے بہت کچھ وسعت ترے سخن میں
نوکِ زباں نے تیری سینوں کو چھید ڈالا
ترکش میں ہے یہ پیکاں یا ہے زباں دہن میں
ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں اب ٹھہرتی ہے دیکھیے جا کر نظر کہاں؟
ہیں دَور جامِ اوّل شب میں خودی سے دُور ہوتی ہے آج دیکھیے ہم کو سحر کہاں

یارب اس اختلاط کا انجام ہو بخیر — تھا اسکو ہم سے ربط مگر اس قدر کہاں؟

اک عمر چاہیے کہ گوارا ہو نیشِ عشق — رکھی ہے آج لذتِ زخمِ جگر کہاں؟

بس ہو چکا بیاں کسل و رنجِ راہ کا — خط کا مرے جواب ہے لائے نامہ بر کہاں؟

کون و مکاں سے ہے دلِ وحشی کنارہ گیر — اس خانماں خراب نے ڈھونڈا ہے گھر کہاں

ہم جس پہ مر رہے ہیں وہ ہے بات ہی کچھ اور — عالم میں تجھ سے لاکھ سہی تو مگر کہاں

ہوتی نہیں قبول دعا ترکِ عشق کی — دل چاہتا نہ ہو تو زباں میں اثر کہاں

حالی نشاطِ نغمہ و مے ڈھونڈتے ہو اب
آئے ہو وقتِ صبح رہی رات بھر کہاں

ق

پیا ہے نہ جامِ بے کدورت بزمِ دوراں میں — خزاں کو لیگئے ہمراہ اگر پہنچے گلستاں میں

نہیں کچھ منحصر دلبستگی زلفِ پریشاں میں — جو دل چاہے تو الجھے اک غبارِ دو پیچاں میں

اگر چھوڑا الگ نہ جذبۂ عشقِ زلیخا نے — نہ رہنے دیگا حسنِ خود نما یوسف کو کنعاں میں

تصور نے بھلایا تیرے ذوقِ شادی و غم کو — نہ کچھ کلفت ہے زنداں میں نہ کچھ راحت شبستاں میں

خوشی میں بھی نہیں رہنا خوش آتا ایک حالت پر — کہاں تک جی نہ گھبرائے الٰہی دردِ ہجراں میں

زباں تقریر سے قاصر قلم تحریر سے عاجز — نہ پوچھو ہے کیا دیکھا ہے ہمنے بزمِ رنداں میں

فلک سے جیتے جی معلوم ملنا کامِ دل اے خضر — سوائے طولِ حسرت کیا دھرا ہے آبِ حیواں میں

نہ چھوڑے گی محبت یاس سے ناکام عاشق کو — نسیمِ مصر کو آنا ہے اک دن بیتِ احزاں میں

گل و نسریں تو کیا۔ فرقت میں جی کچھ چھوٹ جاتا ہے — ہمارا بھی کبھی لگتا تھا دل سیرِ گلستاں میں

بہت دن چاہئیں یوسف کو تا پہنچے زلیخا تک — نکل کر چاہِ کنعاں سے ابھی رہنا ہے زنداں میں

نہ دی حیرت نے حالی فرصتِ سیرِ جہاں اک دم
رہے ہم شہر میں ایسے کہ تھے گویا بیاباں میں

ق

اب وہ اگلا سا التفات نہیں — جس پہ بھولے تھے اب وہ بات نہیں

مجھ کو تم سے ہے اعتمادِ وفا — تم کو مجھ سے پر التفات نہیں

رنج کیا کیا ہیں ایک جان کے ساتھ — زندگی موت ہے حیات نہیں

یوں نہیں گذرے تو سہل ہے لیکن — فرصتِ غم کو بھی ثبات نہیں

کوئی دلسوز ہو تو کیجے بیاں — سرسری دل کی واردات نہیں

ذرہ ذرہ ہے مظہرِ خورشید — جاگ اے آنکھ دن ہے رات نہیں

قیس ہو کوہکن ہو یا حالی
عاشقی کچھ کسی کی ذات نہیں

کچھ ہنسی کھیل سنبھلنا غمِ ہجراں میں نہیں — چاکِ دل میں ہے مرے جو کہ گریباں میں نہیں ق

کھو دیا یاس نے ذوقِ خلشِ فکرِ وصال — اک مزا تھا سو وہ اب کاوشِ پنہاں میں نہیں

ہمنے کی سیرِ چمن غور سے اے بلبلِ زار — بات چھبتی ہوئی کوئی گل و ریحاں میں نہیں

عشق نے مصر میں سو بار زلیخا سے کہا — فتنۂ دہر ہے جو حسن وہ کنعاں میں نہیں

محتسب! صدق و صفا یاں ہے انہیں کے دم تک — مصلحت برہمیٔ صحبتِ رنداں میں نہیں

یاں بھی ہے کون و مکاں سے دلِ وحشی آزاد — جسکو ہم قید سمجھتے ہیں وہ زنداں میں نہیں

ٹھیرتے ٹھیرتے دل یوں ہی ٹھہر جائے گا — بات جو آج ہے وہ کل غمِ ہجراں میں نہیں

کس طرح اسکی لگاوٹ کو بناوٹ سمجھوں — خط میں لکھا ہے وہ القاب جو عنواں میں نہیں

دی ہے واعظ نے کن آداب کی تکلیف نہ پوچھ — ایسے الجھاؤ ترے کاکلِ پیچاں میں نہیں

آدمی ہو تو کبھی پاسِ محبت کے نہ جائے — اب بھی کہتے ہیں کہ "ہم غیر کے نقصاں میں نہیں"

بیقراری تھی سب امیدِ ملاقات کے ساتھ — اب وہ اگلی سی درازی شبِ ہجراں میں نہیں

حالیٔ زار کو کہتے ہیں کہ ہے شاہد باز
یہ تو آثار کچھ اس مردِ مسلماں میں نہیں

غمِ فرقت ہی میں مرنا ہو تو دشوار نہیں — شادیٔ وصل بھی عاشق کو سزاوار نہیں ق

خود روی کے لئے زشتیِ خو بھی ہے ضرور
سچ تو یہ ہے کہ کوئی تجھ سا طرحدار نہیں

قول دینے میں تامل نہ قسم سے انکار
ہم کو سچا نظر آتا کوئی اقرار نہیں

کل خرابات میں اک گوشہ سے آتی تھی صدا
"دل میں سب کچھ ہے مگر رخصتِ گفتار نہیں"

حق ہوا کس سے ادا اس کی وفاداری کا
جسکے نزدیک جفا باعثِ آزار نہیں

دیکھتے ہیں کہ پہونچتی ہے وہاں کون سی راہ
کعبہ و دیر سے کچھ ہم کو سروکار نہیں

ہونگے قائل وہ ابھی مطلعِ ثانی سُنکر
جو تجلی میں یہ کہتے ہیں کہ تکرار نہیں

ق
ہیں تو ہیں غیر کو مرنے سے اب انکار نہیں
اک قیامت ہے ترے ہاتھ میں تلوار نہیں

کچھ پتا منزلِ مقصود کا پایا ہم نے
جب یہ جانا کہ ہمیں طاقتِ رفتار نہیں

چشمِ بد دور بہت پھرتے ہیں اغیار کے ساتھ
غیرتِ عشق سے اب تک وہ خبردار نہیں

ہو چکا ناز اٹھانے میں ہے گو کام تمام
للہ الحمد کہ باہم کوئی تکرار نہیں

مدتوں رشک نے اغیار سے ملنے نہ دیا
دل نے آخر یہ دیا حکم کہ کچھ عار نہیں

اصلِ مقصود کا ہر چیز میں ملتا ہے پتا
ورنہ ہم اور کسی شے کے طلبگار نہیں؟

بات جو دل میں چھپائے نہیں بنتی حالی
سخت مشکل ہے کہ وہ قابلِ اظہار نہیں

وحشت میں تھا خیالِ گل و یاسمن کہاں
لائی ہے بوئے انس نسیمِ چمن کہاں

ہے بندگی کے ساتھ یہاں فرقِ دید بھی
جائیگا دیر چھوڑ کے اب برہمن کہاں

اہلِ طریق جسکو سمجھتے ہیں زادِ راہ
واں دخل دستبرد کو اے راہزن کہاں

فصلِ خزاں کہیں ہیں ہو صیاد گھات میں
مرغِ چمن کو فرصتِ سیرِ چمن کہاں

لاتا ہے دل کو وجد میں اک حرفِ آشنا
لیجائیے ہم کو دیکھئے ذوقِ سخن کہاں

جی ڈھونڈھتا ہے بزمِ طرب میں انہیں مگر
وہ آئے انجمن میں تو پھر انجمن کہاں

دل ہو گیا ہے لذتِ غربت سے آشنا — اب ہم کہاں ہوائے لقائے وطن کہاں

کہتا ہے خیر ہم بھی سہی دشمن آپ کے — شکوے کو لے گیا ہے وہ بیداد فن کہاں

روکا بہت کل آپ کو حالیؔ نے ہاں مگر
جاتا ہے محوِ شوق کا دیوانہ پن کہاں

کہاں فکر میں اب وہ جولانیاں — وہ دریائے معنی کی طغیانیاں
کہاں وہ طبیعت کی رنگینیاں — وہ بزمِ سخن میں گل افشانیاں
کہاں اب وہ جلسے نہیں احباب کے — سخن سنجیاں اور سخن رانیاں

دکھائی جو نہیں دورِ گردوں نے آنکھ — گئے بھول ساری غزل خوانیاں

جھکے بن زمانہ سے بنتی نہیں — رگڑتی ہیں یہاں سب کو پیشانیاں
لگے بڑھنے جب کہ ہوش و خرد ا قا لگیں ساتھ بڑھنے پریشانیاں
بڑھاپے کی دانائی سے کر کوئی ۲ بدل دے وہ بچپن کی نادانیاں
اگر راست گوئی کی جرأت نہیں ا قا تو جھوٹی ہیں واعظ کی لسّانیاں
منادی نہیں حق کی کچھ دل لگی ۲ بہت یاں ہیں درکار قربانیاں
گئے جھیل چپ چاپ گر مشکلیں — یہی مشکلیں ہیں پھر آسانیاں
ہو ناپید جس ملک میں اتفاق — ہیں آبادیاں وہاں کی ویرانیاں
پھریں خرقہ پوش اب کوئی اور روپ — یہ شکلیں تو ہیں جانی پہچانیاں
وہی لے گئے یہاں سے زادِ سفر — گئے جھاڑ جو اپنی ہمیانیاں
لگاؤ نہ اس دارِ فانی سے دل قلہ عیاں اس کی ہیں سست پیمانیاں
جو یہاں آج ہے جوشِ عیش و نشاط — تو کل حسرتوں کی ہیں طغیانیاں
پھر آرام برسوں نہیں یہاں نصیب — اگر چار دن ہیں تن آسانیاں
"چمن ہے کہ ہے سیمیائی نمود" — یہ کہتی ہیں نرگس کی حیرانیاں

لہ یہ قطعہ روس اور جاپان کی لڑائی کے زمانہ میں لکھا تھا۔ ۱۲

گل۔ آوازِ بلبل پہ ہیں ہنس رہے ۔۔۔ کہ دو دن کی ہیں یہ خوش الحانیاں"

متاعِ وفا کا ہے دُنیا میں کال ۔۔۔ مگر گاہکوں کی ہیں ارزانیاں

لگا دیتے ہیں اُسکی قیمت میں جو ۔۔۔ شہنشاہیاں اور سُلطانیاں

کھلونوں پہ مرتے ہیں سر پھوڑ پھوڑ ۔۔۔ یہ داناؤں کی یہاں ہیں نادانیاں

جھپٹتے ہیں مُردار کی پا کے بُو ۔۔۔ یہ ہیں شیر مردوں کی جولانیاں

بنی نوع کے دوست کرتے ہیں آہ ۔۔۔ بنی نوع پر آتش افشانیاں

کلیجے کے ٹکڑوں سے ہوتی ہیں یہاں ۔۔۔ سدا چیل کوّوں کی مہمانیاں

جہاں سوزیوں کا ہے گویا کہ نام ۔۔۔ جہانداریاں اور جہاں بانیاں

ڈبوتی ہیں آخر کو منجدھار میں ۔۔۔ یہ فرعونیاں اور ہامانیاں

محبت کا دُنیا کے حالی مآل

پشیمانیاں ہیں پشیمانیاں

ق

کوئی محرم نہیں ملتا جہاں میں ۔۔۔ مجھے کہنا ہے کچھ اپنی زباں میں

قفس میں جی نہیں لگتا کسی طرح ۔۔۔ لگا دو آگ کوئی آشیاں میں

کوئی دن بوالہوس بھی شاد ہو لیں ۔۔۔ دھرا کیا ہی اشاراتِ نہاں میں

کہیں انجام آ پہونچا وفا کا ۔۔۔ گھلا جاتا ہوں اب کے امتحاں میں

بنا ہے لیجئے جب نام اُس کا ۔۔۔ بہت وسعت ہے میری داستاں میں

دلِ پُر درد سے کچھ کام لوں گا ۔۔۔ اگر فرصت ملی مجھکو جہاں میں

بہت جی خوش ہوا حالی سے مل کر

ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں

و

ق

مرے دل میں ہو۔ گو مجھ سے نہاں ہو ۔۔۔ مجھے بھی ڈھونڈھ لینا تم جہاں ہو

نہ چھیڑوں تذکرہ وصلِ عدو کا
اگر سمعِ مبارک پر گراں ہو

تقاضائے محبت ہے ۔ وگرنہ
مجھے اور جھوٹ کا تم پر گماں ہو

بہت بیقدر ہوں محفل میں تیری
کہیں ناخواندہ تو بھی میہماں ہو

مجھے ڈالا ہے سَو وہم و گماں میں
بہت کیوں آج مجھ پر مہرباں ہو

کمر خوں پر ہمارے باندھ رکھے
جسے سُننی ہماری داستاں ہو

مؤثر ہے بہت حالی ترا وعظ
کل اُسکے سامنے بھی کچھ بیاں ہو

حکم ہے پیرِ مغاں کا کہ جوانی نہ گنواؤ
خیر کفارۂ عصیاں ہے پیو اور پلاؤ

دل کو کس طرح سمجھئے کہ وُہی ہے یہ دل
وہ امیدیں ہیں نہ ارمان وہ امنگیں ہیں نہ چاؤ

یار کو یار سمجھتا ہے نہ تو غیر کو غیر
تو تو اچھا ہے مگر تیرے بُرے ہیں برتاؤ

دوست ہوں جسکے ہزاروں وہ کسی کا نہیں دوست
سچ بتا تجھکو کسی سے بھی ہے دُنیا میں لگاؤ

تو وُہی برقِ جہاں سوز ہے بن خواہ نہ بن
ہے برابر ترا بے ساختہ پن اور بناؤ

ایک ہی دوست اور اُس سے ہمیں چھڑواتے ہو
ناصحو اب ہمیں دشمن کہیں یا دوست بتاؤ؟

ہو گیا ذکرِ قیامت تو اجیرن واعظ
باتیں کچھ اور کرو قصہ کوئی اور سناؤ

تجھکو اے ابرِ بلا دیکھ کے جی چھوٹ گیا
ایک ہی بار تم اے بادلو؟ اس طرح نہ چھاؤ

پہونچ اے خضر کہ ہے وقت مددگاری کا
ڈگمگاتی ہے بہت دیر سے منجدھار میں ناؤ

دیکھیں کس طرح نہ سرسبز ہو پھر کشتِ امید
آؤ اور ندیاں آج آنسوؤں کی مل کے بہاؤ

اے شرافت تجھے بکنا ہے اگر مفت تو بک
آجکل کیجئے کیا؟ ہے یہی بازار کا بھاؤ

قافلے ساتھ کے جا پہنچے حرم کے لگ بھگ
وقت اب ہاتھ سے جاتا ہے جو آتے ہو تو آؤ

اس کے نالوں نے کیا بزم کو آخر بے لطف
ہم نہ کہتے تھے کہ حالی کو نہ محفل میں بلاؤ

دیے فیضِ حق نے جب تھا نہ اب کچھ　　فقیروں کی جھولی میں ہے اب بھی سب کچھ

ہر اک کو نہیں ملتی یاں بھیک زاہد　　بہت جانچ لیتے ہیں دیتے ہیں تب کچھ

کچھ اور آؤ بنکر تم اے میرمرزا　　نہیں پوچھتے یاں حسب اور نسب کچھ

یہ طبلِ تہی ہیں جو بکارتے ہیں　　جنہیں کچھ خبر ہو وہ کہتے ہیں کب کچھ

دیا تونے یاں جس بہانے سے چاہا　　ہنر کام آیا نہ علم و ادب کچھ

ہے افسردہ مجلس کی خست سے واعظ　　وہ گرمائیگا یہ سمجھیں گے جب کچھ

تم اپنی سی کہنی تھی جو کہہ چکے سب　　نہیں ناصحو! تم پہ الزام اب کچھ

یہ ہے میرِ مجلس کہ چلنی کی مورت　　ٹٹولو تو ہیچ اور جو دیکھو تو سب کچھ

کوئی لقمۂ چرب تاکا ہے شاید
یہ حالی کی عزلت نہیں بے سبب کچھ

بڑھاؤ نہ آپس میں ملت زیادہ　　مبادا کہ ہو جائے نفرت زیادہ

تکلف علامت ہے بیگانگی کی　　نہ ڈالو تکلف کی عادت زیادہ

کرو دوستو پہلے آپ اپنی عزت　　جو چاہو کریں لوگ عزت زیادہ

نکالو نہ رخنے نسب میں کسی کے　　نہیں اس سے کوئی رذالت زیادہ

کرو علم سے اکتسابِ شرافت　　نجابت سے ہے یہ شرافت زیادہ

فراغت سے دنیا میں دم بھر نہ بیٹھو　　اگر چاہتے ہو فراغت زیادہ

جہاں رام ہوتا ہے میٹھی زباں سے　　نہیں لگتی کچھ اس میں دولت زیادہ

مصیبت کا ایک اک سے احوال کہنا　　مصیبت سے ہے یہ مصیبت زیادہ

کرو ذکر کم اپنی داد و دہش کا　　مبادا کہ ثابت ہو خست زیادہ

پھر اوروں کی تکتے پھروگے سخاوت　　بڑھاؤ نہ حد سے سخاوت زیادہ

کہیں دوست تم سے نہ ہو جائیں بدظن جتاؤ نہ اپنی محبت زیادہ *

جو چاہو فقیری میں عزت سے رہنا نہ رکھو امیروں سے ملت زیادہ

وہ افلاس اپنا چھپاتے ہیں گویا جو دولت سے کرتے ہیں نفرت زیادہ

نہیں چھپتے عیب اتنے ثروت سے تیرے خدا دے تجھے خواجہ ثروت زیادہ

ہے الفت بھی وحشت بھی دنیا سے لازم پہ الفت زیادہ نہ وحشت زیادہ

فرشتہ سے بہتر ہے انسان بننا مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ

بکے مفت یاں ہم زمانہ کے ہاتھوں پہ دیکھا تو تھی یہ بھی قیمت زیادہ

ہوئی عمر دنیا کے دھندوں میں آخر نہیں بس اب اے عقل مہلت زیادہ

غزل میں وہ رنگت نہیں تیری حالی

الاپیں نہ بس آپ دھرپت زیادہ

ق

حقیقت محرم اسرار سے پوچھ مزا انگور کا مے خوار سے پوچھ

وفا اغیار کی اغیار سے سن مری الفت در و دیوار سے پوچھ

ہماری آہ بے تاثیر کا حال کچھ اپنے دل سے کچھ اغیار سے پوچھ

دلوں میں ڈالنا ذوق اسیری کمند گیسوئے خمدار سے پوچھ

دل مہجور سے سن لذت وصل نشاط عافیت بیمار سے پوچھ

نہیں جز گریۂ غم حاصل عشق ہماری چشم دریا بار سے پوچھ

نہیں آب بقا جز جلوۂ دوست کسی لب تشنۂ دیدار سے پوچھ

فریب وعدۂ دیدار کی قدر شہید خنجر انکار سے پوچھ

فغان شوق کو مانع نہیں وصل یہ نکتہ عندلیب زار سے پوچھ

تصور میں کیا کرتے ہیں جو ہم وہ تصویر خیال یار سے پوچھ

متاع بے بہا ہے شعر حالی مری قیمت مری گفتار سے پوچھ

ی

ہے اُن کی دوستی پہ ہم کو تو بدگمانی
وہ ہم کو دوست سمجھیں یہ اُنکی مہربانی

بیجُرم کوئی آخر کب تک سُنے ملامت
ناصح سے ہمکو اپنی کہنی پڑی کہانی

عاشق کے دلکو ٹھنڈک جو تیری آگ میں ہے
دیتا نہیں وہ لذت پیاسے کو سرد پانی

اُمیدِ وصل سے ہی کچھ جی ٹھہرا دیتا
جو کچھ سُنا ہے ہمنے مشاطہ کی زبانی

ہر حکم پہ ہوں راضی ہر حال میں ہیں خوش
کچھ ہے اگر تو یہ ہے دُنیا میں شادمانی

صبر و سکون سے ہمکو یہ بھی نہ بیٹھنے دے
تھوڑی سی رہ گئی ہو اے کاہشِ نہانی

پھر یہ بنائے ہستی ہو تیرے بعد ویران
ہو تو بھی اب غنیمت اے ضعف و ناتوانی

دیکھا جمالِ جاناں آنکھوں نے اور نہ دل نے
کیا جانے کس ادا سے کی اُس نے دلستانی

اک نکتہ کے بیاں سے سر بر نہ ہو گے حالی
چلتا نہیں کسی کا یاں لافِ نکتہ دانی

کہدو کوئی ساقی سے کہ ہم مرتے ہیں پیاسے
گر مے نہیں۔ دے زہر ہی کا جام بلا سے

جو کچھ ہے سو ہے اُسکے تغافل کی شکایت
قاصد سے ہے تکرار نہ جھگڑا ہے صبا سے

دلالہ نے اُمید دلائی تو ہے لیکن
دیتے نہیں کچھ دل کو تسلی یہ دلاسے

ہے وصل تو تقدیر کے ہاتھ اے شہِ خوباں
یاں ہیں۔ تو فقط تیری محبت کے ہیں پیاسے

پیاسے ترے سرگشتہ ہیں جو راہِ طلب میں
ہونٹوں کو وہ کرتے نہیں تر آبِ بقا سے

درگذرے دوا سے تو بھروسے پہ دُعا کے
درگذریں دُعا سے بھی۔ دُعا ہے یہ خدا سے

اک درد ہو بس آٹھ پہر دِل میں کہ جس کو
تخفیف دوا سے ہو نہ تسکین دُعا سے

حالی دِلِ انسان میں ہے گم دولتِ کونین
شرمندہ ہوں کیوں غیر کے احسان و عطا سے

جب وقت پڑے دیجئے دستک درِ دِل پر
جھکئے فقرا سے نہ جھکئے اُمرا سے

کبک و قمری میں ہے جھگڑا کہ چمن کس کا ہے
کل بتا دے گی خزاں یہ کہ وطن کس کا ہے

فیصلہ گردشِ دوراں نے کیا ہے سو بار
مَرو کس کا ہے بدخشان و ختن کس کا ہے

دم سے یوسفؑ کے جب آباد تھا یعقوبؑ کا گھر
چرخ کہتا تھا کہ یہ بیتِ حزن کس کا ہے

مطمئن۔ اس سے مُسلمان نہ عیسیٰ نہ یہود
دوست کیا جانئے یہ چرخِ کہن کس کا ہے!

واعظ اک عیب سے تو پاک ہے یا ذاتِ خدا
ورنہ بے عیب زمانہ میں چلن کس کا ہے

آج کچھ اور دنوں سے ہے سوا استغراق
عزمِ تسخیر پھر اے شیخِ زمن کس کا ہے

آنکھ پڑتی ہے ہر اک اہلِ نظر کی تم پر

تم میں رُوپ اے گل و نسرین و سمن کس کا ہے؟

عشق اُدھر عقل اِدھر دُھن میں چلے ہیں تیری
رستہ اب دیکھیے دونوں میں کٹھن کس کا ہے

شان دیکھی نہیں گر تونے چمن میں اسکی
ولولہ تجھ میں یہ اے مرغِ چمن کس کا ہے؟

ہیں فصاحت میں مثل واعظ و حالی دونو
دیکھنا یہ ہے کہ بے لاگ سخن کس کا ہے

ہوا کچھ اور ہی عالم میں چلتی جاتی ہے
ہُنر کی عیب کی صُورت بدلتی جاتی ہے

عجب نہیں کہ رہے نیک و بد میں کچھ نہ تمیز
کہ جو بدی ہے وہ سانچے میں ڈھلتی جاتی ہے

سپاہ و میرِ سپہ باغ باغ ہیں۔ لیکن
بھیر روتی ہے اور ہاتھ ملتی جاتی ہے

کہا جو میں نے وفا کرتے آئے ہیں احباب
کہا زمانہ کی عادت بدلتی جاتی ہے

قلق انہیں نہیں گر دوستوں سے چھٹنے کا
طبیعت اپنی بھی کچھ کچھ سنبھلتی جاتی ہے

بہت سے کھو دیے خلجان بینوائی نے
ضرورت ایک کی بعد ایک ٹلتی جاتی ہے

ہوئے ہیں بارِ امانت سے تیرے سب عاجز
زمیں بھی اپنے خزانے اُگلتی جاتی ہے

اڑے گی خاک تقدس کی اب سرِ بازار
فقیہ و شیخ میں جوتی اُچھلتی جاتی ہے

نہ خوف مرنے سے جب تھا نہ اب ہے کچھ حالی
کچھ اک جھجک سی تھی سو وہ بھی نکلتی جاتی ہے

بری اور بھلی سب گذر جائے گی
یہ کشتی یونہیں پار اُتر جائے گی

ملے گا نہ گلچیں کو گُل کا پتا
ہر اک پنکھڑی یوں بکھر جائے گی

رہیں گے نہ ملّاح یہ دن سدا
کوئی دن میں گنگا اُتر جائے گی

اِدھر ایک ہم اور زمانہ اُدھر
یہ بازی تو سَو بسوے ہر جائے گی

بناوٹ کی شیخی نہیں رہتی شیخ ! یہ عزت تو جائے گی پر جائے گی
نہ پوری ہوئی ہیں امیدیں نہ ہوں یونہیں عمر ساری گذر جائے گی
سنیں گے نہ حالی کی کب تک صدا
یہی ایک دن کام کر جائے گی

سلف کی دیکھ رکھو راستی اور راست اخلاقی
کہ اُن کے دیکھنے والے ابھی کچھ لوگ ہیں باقی
نہیں خالی ضرر سے وحشیوں کی لوٹ بھی لیکن
حذر اُس لوٹ سے جو لوٹ ہے علمی و اخلاقی
نہ گل چھوڑے نہ برگ و بار چھوڑے تو نے گلشن میں
یہ گلچینی ہے یا لُٹس ہے گلچیں یا ہے قزاقی
کمالِ کفش دوزی علمِ افلاطوں سے بہتر ہے
یہ وہ نکتہ ہے سمجھے جس کو مشائی نہ اشراقی
رہی دانائی آخر غالب آ کر پہلوانی پر
گئے چین ہان سب چینی و فرغانی و قبچاقی
ہمارے ظرف ہی انعام کے قابل نہیں ورنہ
لنڈھائے خم پہ خم غیروں پہ کیوں ممسک ہو گر ساقی
مدارج کوشش و تدبیر کے سب ہو چکے حالی
لطیفہ رہ گیا ہے دیکھنا اک غیب کا باقی

اہلِ معنی کو ہے لازم سخن آرائی بھی بزم میں اہلِ نظر بھی ہیں تماشائی بھی
اپنے اور غیر کے حق کی نہیں کچھ رکھتے تمیز اسمیں شہری بھی ہیں۔ کوہی بھی ہیں صحرائی بھی
آنکھ سب ایک کھلی رکھتے ہیں اور ایک مُندی اسمیں مسلم بھی ہیں۔ ہندو بھی ہیں۔ عیسائی بھی

جو چھپاتے ہیں حق اندیشۂ رسوائی سے — گھات میں اُنکے لگی بیٹھی ہے رسوائی بھی

دوست گر بھائی نہو دوست ہے تو بھی۔ لیکن — بھائی گر دوست نہیں تو نہیں کچھ بھائی بھی

اے غمِ دوست تجھی پر نہیں اپنی گزران — کچھ فتوح[1] اسکے سوا اور ہے بالائی بھی

دل غنی رکھتے ہیں اے دولتِ دنیا جو لوگ — تیور اُن کے کبھی تو دیکھ کے شرمائی بھی

عقل ہے۔ اپنی حماقت کو چھپانیکی انھیں — جنہیں کچھ ساتھ حماقت کے ہے خود رائی بھی

عقل اور حُسن پہ جن کے بھری مجلس ہو گواہ — اُن کو خود رائی بھی پھبتی ہے خود آرائی بھی

مِلنے دیگی نہ اجل تم سے ہمیں جی بھر کر — فرصت اے دوستو دُنیا سے اگر پائی بھی

جی گئے ہم پہ رہے مُردوں[2] سے بدتر حالی
دیکھ لی ہمنے طبیبوں کی مسیحائی بھی

رہا کھل کے زاہد کا زہدِ ریائی — بنائی بہت بات پر بن نہ آئی

برائی ہے رندوں میں بھی شیخ لیکن — کہاں یہ بُرائی کہاں وہ بُرائی

گناہوں سے بچنے کی صورت نہیں جب — عبادت میں کیوں جان ناحق کھپائی

رُکا ہاتھ جب بن گئے پارسا تم — نہیں پارسائی یہ ہے نارسائی

بڑا آپ کو وہ سمجھتا ہے ہم سے — سوا اسکے منعم میں ہے کیا بڑائی

جو کہیئے تو جھوٹی جو سُنئے تو سچی — خوشامد بھی ہم نے عجب چیز پائی

ہوئی آکے پیری میں قدرِ جوانی — سمجھ ہم کو آئی پہ ناوقت آئی

وہی جو کہ کرتا ہے رائی کو پربت — وہ پربت کو بھی کر دکھاتا ہے رائی

جوانی میں عاشق تھے اب ہم ہیں ناصح — جو واں دل پہ لی تھی تو یاں مُنہ کی کھائی

قیاس آپ پر سب کو کرتے ہو حالی
نہیں اب بھی اچھوں سے خالی خدائی

---

[1] یعنی غم دنیا و غم زن و فرزند وغیرہ ۱۲ [2] اپنے دائم المرض ہونے کی طرف اشارہ ہے ۱۲

وصل کا اُس کے دلِ زار تمنائی ہے
نہ ملاقات ہے جس سے نہ شناسائی ہے

قطعِ اُمید نے دل کر دیے یکسو۔ صد شکر
شکل مدت میں یہ اللہ نے دکھلائی ہے

قوتِ دستِ خدائی ہے شکیبائی میں
وقت جب آکے پڑا ہے یہی کام آئی ہے

ڈر نہیں غیر کا۔ جو کچھ ہے سو اپنا ڈر ہے
ہمنے جب کھائی ہے اپنوں ہی سے زک کھائی ہے

نشہ میں چور ہوں۔ بھا جھ میں مخمور نہ ہوں
پند یہ پیرِ خرابات نے فرمائی ہے

نظر آتی نہیں اب دل میں تمنا کوئی
بعد مدت کے تمنا مری بر آئی ہے

بات سچی کہی۔ اور انگلیاں اٹھیں سب کی
سچ میں حالی کوئی رسوائی سی رسوائی ہے؟

اتنی ہی دشوار اپنے عیب کی پہچان ہے
جسقدر کرنی ملامت اور کو آسان ہے

سامنا ہے موت کا ہونا محبت سے دوچار
آئے اس میدان میں نہ ادھر اگر کچھ جان ہے

دیکھ اے بلبل ذرا گلبن کو آنکھیں کھول کر
پھول میں گر آن ہے کانٹے میں بھی اک شان ہے

عقل چھلی پر نہ بیٹھے حرص و آزِ انسان کی
لے نہ اب نام آدمیت کا اگر انسان ہے

چیونٹیوں میں اتحاد اور مکھیوں میں اتفاق
آدمی کا آدمی دشمن۔ خدا کی شان ہے

تجھ میں جو بات اے شمع ہے کس برقِ عالم سوز کی
جان و دل سے تجھ پہ پروانہ جو یوں قربان ہے

دل میں حالی کے رہی باقی نہ بس ارمان کچھ
جی میں ہے کچھ اب اگر باقی تو یہ ارمان ہے

تم میں وہ سوز نہ تم میں ہے وہ ایمان باقی
رہ گیا کیا ہے اب اے گبر و مسلمان باقی؟

بزمِ دعوت میں رسائی ہوئی اپنی اسوقت
میزباں جب نہ رہا کوئی نہ مہمان باقی

حق ادا اِک نگہِ لطف کا ہو گا کیوں کر؟

دِل و دین لے چکے اور رہی ابھی احساں باقی
ظاہرا درد ہی اُلفت کا نہیں چارہ پذیر
ورنہ چھوڑا نہیں ہم نے کوئی درماں باقی
توشہ موجود ہے حالی نہ سواری نہ رفیق
ابھی کرنے ہیں بہت کوچ کے ساماں باقی
جب یہ کہتا ہوں کہ بس دُنیا پہ اب تُف کیجئے
نفس کہتا ہے ابھی چندے توقف کیجئے
واں رسائی ہے صبا کی اور نہ قاصد کو ہے بار
اُس سے آخر کس طرح پیدا تعارف کیجئے
ضبط کیجے دردِ دل تو ضبط کی طاقت نہیں
اور کھلا جاتا ہے رازِ دل اگر اُف کیجئے
دوست کے تیور ہیں ہم ہر رنگ میں پہچانتے
بے تکلف ملئے ہم سے یا تکلف کیجئے
جبکہ عقبیٰ مِل گئی دُنیا ہے پھر سہل الوصول
شیخ لگتے ہاتھ اس پر بھی تصرف کیجئے
وقت تھا جو کام کا حالی گنوا بیٹھے اُسے
جائیے اب عمر بھر بیٹھے تاسف کیجئے
توبہ حضرت کی یونہی اک دودھ کا سا ہے اُبال
ہم دکھا دینگے ذرا دم بھر توقف کیجئے
فکرِ فردا کی گلے پڑ گئی عادت کیسی　　جان کو ہم نے لگا لی ہے یہ علت کیسی
جب خزاں ہو گئی آخر تو رہا بیمِ خزاں　　جن کی قسمت میں ہو کلفت انھیں راحت کیسی

جی کا اُلفت کو سمجھتے تھے ہم اک بہلاوا — وہ تو آفت تھی ہماری لئے اُلفت کیسی
جیتے جی رکھ نہ فراغت کی توقع ناداں — قیدِ ہستی میں مری جان فراغت کیسی؟
عیب جوئی سے نہیں خلق کی دم بھر فارغ — جنکو کچھ کام نہیں یاں اُنھیں فرصت کیسی
جو حقیقت سے ہیں آگاہ تری اے دُنیا — وہ نہیں جانتے ہوتی ہے مصیبت کیسی
جانتا ہو وُہی۔ دل پر ہی گذرتی جس کے — ہم کہیں کس سے کہ درپیش ہی حالت کیسی
ہمنے اوّل سے پڑھی ہی یہ کتاب آخر تک — ہم سے پوچھے کوئی؟ ہوتی ہے محبت کیسی
جبکہ رہتا نہیں قابو میں دل اپنے ناصح — وہ بھی کام نہیں کرتی۔ نصیحت کیسی

نظر آتا تھا یہ پہلے ہی سے حالیؔ انجام
یار کی میں بھی کہوں ہے یہ عنایت کیسی

سعی سے بہتر تن آسانی مری — کفر سے بدتر مسلمانی مری
تھا نہ محتاجِ سبب عفوِ کریم — کچھ نہ کام آئی پشیمانی مری
خلد میں بھی گر رہی یاد اسکی زلف — کم نہ ہو شاید پریشانی مری
ہے لباسِ جسم تک مجھ پر گراں — دُور جا پہونچی ہے عُریانی مری
باغ گاگشت ہے بیمِ خزاں — موت کرتی ہے نگہبانی مری
قدرِ نعمت ہے بقدرِ انتظار — حشر پر ٹھہری ہی مہمانی مری

خندہ زن ہے اُس مسلمانی پہ کفر
جیسی ہی حالیؔ مسلمانی مری

پردے بہت سے وصل میں بھی درمیاں رہے
شکوے وہ سب سُنا گئے اور ہم زباں رہے

کیا کیا ہیں دل میں دیکھئے ارماں بھرے ہوئے
ہم میزباں نہیں جو کوئی میہماں رہے

حرماں ہیں ہاتھ سے نہ دیا رشتۂ امید
اب تک تو ہم جہاں میں بہت شادماں رہے

پوچھی گئی نہ بات کہیں پاسِ وضع کی
اتنے ہی ہم سُبک ہوئے جتنے گراں رہے

دیر و حرم کو تیرے صناؤں سے بھر دیا
اپنے رقیب آپ رہے ہم جہاں رہے

دارا و جم کو تیرے گداؤں پہ رشک ہے
نرخِ متاعِ عشق ۔ الٰہی گراں رہے

حالی سے مل کے ہو گئے تم افسردہ دل بہت
اگلے سے ولولے وہ اب اس میں کہاں رہے

کل مدعی کو آپ پہ کیا کیا گماں رہے
بات اُس کی کاٹتے رہو اور ہمزباں رہے

یارانِ تیز گام نے محمل کو جا لیا
ہم محوِ نالۂ جرسِ کارواں رہے

یا کھینچ لائے دیر سے رندوں کو اہلِ وعظ
یا آپ بھی ملازمِ پیرِ مغاں رہے

وصلِ مدام سے بھی ہماری بجھی نہ پیاس
ڈوبے ہم آبِ خضر میں اور نیم جاں رہے

کل کی خبر غلط ہو تو جھوٹے کا رو سیاہ
"تم مدعی کے گھر گئے اور میہماں رہے"

دریا کو اپنی موج کی طغیانیوں سے کام
کشتی کسی کی پار ہو یا درمیاں رہے

حالی کے بعد کوئی نہ ہمدرد پھر ملا
کچھ راز تھے کہ دل میں ہمارے نہاں رہے

ق

حقِ وفا کے جو ہم جتانے لگے
آپ کچھ کہہ کے مسکرانے لگے

تھا یہاں دل میں طعنِ وصلِ عدو
عذر اُن کی زباں پہ آنے لگے

ہم کو جینا پڑے گا فرقت میں
وہ اگر ہمت آزمانے لگے

ڈر ہے میری زباں نہ کھل جائے ۔ اب وہ باتیں بہت بنانے لگے
جان بچتی نظر نہیں آتی ۔ غیر اُلفت بہت جتانے لگے
تم کو کرنا پڑے گا عذرِ جفا ۔ ہم اگر دردِ دل سنانے لگے
سخت مشکل ہے شیوۂ تسلیم ۔ ہم بھی آخر کو جی چرانے لگے
جی میں ہے لوں رضائے پیرِ مغاں ۔ قافلے پھر حرم کو جانے لگے
سِرِ باطن کو فاش کر یا رب! ۔ اہلِ ظاہر بہت ستانے لگے

وقتِ رخصت تھا سخت حالیؔ پر
ہم بھی بیٹھے تھے جب وہ جانے لگے

ق
حشر تک یاں دل شکیبا چاہیے ۔ کب ملیں دلبر سے دیکھا چاہیے
ہے تجلی بھی نقابِ روئے یار ۔ اُس کو کن آنکھوں سے دیکھا چاہیے
غیر ممکن ہے نہ ہو تاثیرِ غم ۔ حالِ دل پھر اُس کو لکھا چاہیے
ہے دل افگاروں کی دلداری ضرور ۔ گر نہیں اُلفت مدارا چاہیے
ہے کچھ اک باقی خلش اُمید کی ۔ یہ بھی مٹ جائے تو پھر کیا چاہیے
دوستوں کی بھی نہ ہو پروا جسے ۔ بے نیازی اُس کی دیکھا چاہیے
بھا گئے ہیں آپ کے انداز و ناز ۔ کیجیے اغماض جتنا چاہیے
شیخ! ہے اک نگہ جادو بھری ۔ صحبتِ رنداں سے بچنا چاہیے

لگ گئی چپ حالیؔ رنجور کو
حال اُسکا کس سے پوچھا چاہیے

ق
جنوں کار فرما ہوا چاہتا ہے ۔ قدم دشت پیما ہوا چاہتا ہے
دمِ گریہ کس کا تصوّر ہے دل میں ۔ کہ اشک اشکِ دریا ہوا چاہتا ہے
خط آنے لگے شکوہ آمیز اُنکے ۔ مِلاپ اُن سے گویا ہوا چاہتا ہے

بہت کام لینے تھے جس دل سے ہمکو — وہ صرفِ تمنا ہوا چاہتا ہے

ابھی لینے پائے نہیں دم جہاں میں — اجل کا تقاضا ہوا چاہتا ہے

مجھے کل کے وعدے پہ کرتے ہیں رخصت — کوئی وعدہ پورا ہوا چاہتا ہے

فزوں تر ہے کچھ اندنوں ذوقِ عصیاں — درِ رحمت اب وا ہوا چاہتا ہے

قلق گر یہی ہے تو رازِ نہانی — کوئی دن میں رسوا ہوا چاہتا ہے

وفا شرطِ الفت ہے ۔ لیکن کہاں تک ؟ — دل اپنا بھی تجھ سا ہوا چاہتا ہے

بہت حظ اٹھاتا ہے دل تجھ سے ملکر — قلق دیکھئے کیا ہوا چاہتا ہے

غمِ رشک کو تلخ سمجھے تھے ہمدم — سو وہ بھی گوارا ہوا چاہتا ہے

بہت چین سے دن گذرتے ہیں حالی
کوئی فتنہ برپا ہوا چاہتا ہے

ق

جس کو غصے میں لگاوٹ کی ادا یاد رہے
آج دل لے گا اگر کل نہ لیا ۔ یاد رہے

شوق بڑھتا گیا جوں جوں رکے اس شوخ سے ہم
یہ سبق وہ ہے کہ بھولے سے سوا یاد رہے

ہم بھی آدابِ شریعت سے تھے آگاہ ۔ مگر
ہو برتاؤ میں جو رسم وہ کیا یاد رہے

یاد آؤ گے بہت ۔ لطف سمجھ کر کیجے
اس بھلائی کا ہے انجام برا ۔ یاد رہے

شیخ یاں شرمِ گنہ شوق بھلا دیتا ہے
توبہ ان کی ہے جنھیں اپنی خطا ۔ یاد رہے

وادیِ عشق میں موسیٰ کو ہو گر رخصتِ دید

ہاتھ کٹوائیں جو پھر کفش و عصا یاد رہے

خضر نے پاؤں اگر دشتِ فنا میں رکھا
بھول جائیں گے رہِ آبِ بقا یاد رہے

دِل بُری طرح لگا عشقِ بُتاں میں اے شیخ!
دِین پڑا پائیں اگر اب کے خدا یاد رہے

چارہ گر! کار باندازۂ تدبیر نہیں
کیجیو ہمت اگر وقتِ دُعا یاد رہے

ابھی جانا نہیں حالی نے کہ کیا چیز ہیں وہ
حضرت اس لُطف کا پائیں گے مزا یاد رہے

ملنے کی جو نہ کرنی تھی تدبیر کر چکے
آخر کو ہم حوالۂ تقدیر کر چکے

افسوس شبِ وصال کے واں کارگر نہیں
نالے شبِ فراق کے تاثیر کر چکے

اے دل اب آزمایش تقدیر کا ہے وقت
وہ امتحان پرسشِ شمشیر کر چکے

کہتے ہیں طبع دوست شکایت پسند ہے
ہم شکوہ ہائے غیر بھی تحریر کر چکے

بھولے رہے تصوّرِ مژگاں میں چند روز
دیکھا تو دل کو ہم ہدفِ تیر کر چکے

جاں لب تک انتظار میں آتی ہے بار بار
مشاطہ جلد تر کہیں تقریر کر چکے

میلے فارغ ہوئے ہیں وہ
گویا کہ اک جہان کو تسخیر کر چکے

حالی اب آؤ پیروی مغربی کریں
بس اقتدائے مصحفی و میر کر چکے

نہ واں پرسش نہ یاں تاب سخن ہے ۔۔۔ محبت ہے کہ دل میں موجزن ہے
بہت لگتا ہے دل صحبت میں اسکی ۔۔۔ وہ اپنی ذات سے اک انجمن ہے
بناوٹ سے نہیں خالی کوئی بات ۔۔۔ مگر ہر بات میں اک سادہ پن ہے
عدو سے بات محفل میں نہ کرنی ۔۔۔ جو سچ پوچھو تو جائے سوء ظن ہے
بہت دلہا ہیں تیرے عاشق کو درکار ۔۔۔ تری جو بات ہے وہ دل شکن ہے
دلاتی ہے صبا کس کو چمن یاد ۔۔۔ نہ ہیں بلبل نہ گھر اپنا چمن ہے
کروں تجھ سے بیاں کچھ درد غربت ۔۔۔ مگر جوش سخن مہر دہن ہے
رہے لاہور میں آکر سو یہ جانے[۵] ۔۔۔ یہی دنیا ہے جو دار المحن ہے
نہیں آتی کہیں یاں بوئے یوسف ۔۔۔ مگر جو گھر ہے وہ بیت الحزن ہے
یہاں بیگانگی ہے اس قدر عام ۔۔۔ کہ بلبل ناشناسائے چمن ہے
نہ کچھ مجنوں کو ہے پروائے لیلیٰ ۔۔۔ نہ کچھ شیریں کو درد کوہکن ہے

---

۵ یہ غزل تقریباً سنہ ۱۲۸۹ھ میں اسوقت لکھی تھی جبکہ مجھے بتقریب ملازمت دلی چھوڑ کر لاہور جانا پڑا تھا اسوقت اول تو دلی سے جدا ہونا ہی سخت شاق گذرا تھا دوسرے لاہور میں کسی سے جان پہچان نہ تھی۔ وہاں پہنچتے ہی نہایت سخت وبا آئی۔ اور وبا کے بیٹھنے کے بعد مدت تک چیچک اور بخار کا زور و شور رہا۔ آخر کار راقم بھی سخت بیمار ہو گیا۔ اس تنہائی اور سراسیمگی و غم اندوہ کی حالت میں یہ اشعار لکھے گئے تھے ۱۲ (حالی)

مجھے تنہا نہ سمجھیں اہلِ لاہور — تصور میں مرے اک انجمن ہے
مری خلوت میں ہے ہنگامۂ بزم — خموشی میں مری ذوقِ سخن ہے
بتاؤں تم کو ہوں کس باغ کا پھول؟ — جہاں ہر گل بجائے خود چمن ہے
بتاؤں تم کو ہوں کس شہر کی خو؟ — جہاں غربت وطن پر خندہ زن ہے
عدم کی راہ کٹ جاتی کبھی کی — مگر یادِ عزیزاں راہزن ہے
نہ لینے دیگا جنت میں بھی آرام — یہی گر جذبۂ حبِ وطن ہے
گر ہیں نظروں سے سب باتیں پرانی — مگر الفت کہ اک رسمِ کہن ہے
بھلا حالی ادا الفت سے ہو خالی! — یہ سب تم صاحبوں کا حسنِ ظن ہے
کیا ہے اس نے کہتے ہیں سخن ترک
مگر ہم کو ابھی اس میں سخن ہے

تم نے بھی اپنی پارسائی کی[۵۱] — کی بھی اور کس سے آشنائی کی
کیوں بڑھاتے ہو اختلاط بہت — ہم کو طاقت نہیں جدائی کی
منہ کہاں تک چھپاؤ گے ہم سے — تم کو عادت ہے خود نمائی کی
لاگ میں ہیں لگاؤ کی باتیں — صلح میں چھیڑ ہے لڑائی کی
ملتے غیروں سے ہو ملو لیکن — ہم سے باتیں کرو صفائی کی
دل رہا پائے بندِ الفتِ دام — تھی عبث آرزو رہائی کی
دل بھی پہلو میں ہو تو یاں کس سے — رکھیے امید دلربائی کی
شہر و دریا سے باغ و صحرا سے — بو نہیں آتی آشنائی کی
[illegible] غارتِ ایمان — لے گئی شرم پارسائی کی

ق

۵۱ یہ غزل ابتدائی لاہور میں اسی وقت لکھی گئی تھی جبکہ غزل سابق لکھی گئی تھی۔ آخر کے اشعار میں اسی امر کی طرف اشارہ بھی کیا گیا ہے ۱۲ (حالی)

بختِ ہمداستانیٔ شیدا[1] تو نے آخر کو نارسائی کی
صحبتِ گاہ گاہی رشکی[2] تو نے بھی ہم سے بیوفائی کی
موت کی طرح جس سے ڈرتے تھے ساعت آپہونچی اُس جُدائی کی
زندہ پھرنے کی ہے ہوس حالی
اِنتہا ہے یہ بے حیائی کی

کردیا خوگرِ جفا تو نے خوب ڈالی تھی ابتدا تو نے
دُور پہونچی تھی اپنی آزادی پر خدا جانے کیا کیا تو نے
کیوں نہ آئینگے یاں وہ اے ہمدم بس سُنا میں نے اور کہا تو نے
گوش و لب ساتھ لائے تھے ہم آج نہ کہا اور نہ کچھ سُنا تو نے
صبر کا ہے بہت بُرا انجام ہم کو سمجھا ہے دل میں کیا تو نے
ابتدائے وفا ہے سر دینا میری دیکھی نہ انتہا تو نے
دل سے قاصد بنا کے وعدۂ وصل اور کھویا رہا سہا تو نے
ایک عالم کو خوش کیا اے رشک ہم کو کس سے خفا کیا تو نے
جی میں کیا ہے جو بخشوایا آج
حالی اپنا کہا سُنا تو نے

ق
کر کے بیمار دی دوا تو نے جان سے پہلے دل لیا تو نے
رہبرِ تشنہ لب نہ گھبرانا اب لیا چشمۂ بقا تو نے
شیخ جب دل ہی دیر میں نہ لگا آکے مسجد سے کیا لیا تو نے

---

[1] شیدا سے مراد منشی محمد کرم اللہ خاں صفا دہلوی ہیں کہ اُس زمانہ میں کبھی کبھی فکر شعر کرتے تھے اور شیدا تخلص کرتے تھے ۱۲ (حالی)

[2] رشکی آنریبل نواب محمد علی خاں بہادر رئیس جہانگیر آباد کا تخلص ہے ۱۲ (حالی)

ڈور ہوا سے دلِ مآل اندیش — کھو دیا عمر کا مزا تو نے
ایک بیگانہ وار کر کے نگاہ — کیا کیا چشم آشنا تو نے
دل و دیں کھو کے آئے تھے سوئے دیر — یاں بھی سب کچھ دیا خدا تو نے

خوش ہے امیدِ خلد پہ حالی
کوئی پوچھے کہ کیا کیا تو نے

ق

دل کو درد آشنا کیا تو نے — دردِ دل کو دوا کیا تو نے
طبعِ انساں کو دی سرشتِ وفا — خاک کو کیمیا کیا تو نے
وصلِ جاناں محال ٹھہرایا — قتلِ عاشق روا کیا تو نے
تھا نہ جُز غم بساطِ عاشق میں — غم کو راحت فزا کیا تو نے
جان تھی اک وبال فرقت میں — شوق کو جاں گزا کیا تو نے
تھی محبت میں ننگ منتِ غیر — جذبِ دل کو رسا کیا تو نے
راہ زاہد کو جب کہیں نہ ملی — قطعہ — درِ میخانہ وا کیا تو نے
قطع ہونے ہی جب لگا پیوند ۲ — غیر کو آشنا کیا تو نے
تھی جہاں کارواں کو دینی راہ — عشق کو رہنما کیا تو نے
ناؤ بھر کر جہاں ڈبونی تھی — عقل کو ناخدا کیا تو نے
بڑھ گئی جب پدر[له] کو مہرِ پسر — اس کو اس سے جدا کیا تو نے
جب ہوا ملک و مال رہزنِ ہوش — بادشہ کو گدا کیا تو نے
جب ملی کام جاں کو لذتِ درد — درد کو بے دوا کیا تو نے
جب دیا راہرو کو ذوقِ طلب — سعی کو نارسا کیا تو نے

له اس شعر میں پدر و پسر کا اشارہ حضرت یعقوب و یوسف علیہم السلام کی طرف اور اگلے شعر میں بادشاہ سے مراد ابراہیم ابن ادہم رحمۃ اللہ علیہ ہیں ۱۲ (حالی)

پردۂ چشم تھے حجاب بہت ۔ حسن کو خود نما کیا تو نے
عشق کو تابِ انتظار نہ تھی ۔ غرفہ اک دل میں وا کیا تو نے
حرم آباد اور دیر خراب ۔ جو کیا سب بجا کیا تو نے
سخت افسردہ طبع تھے احباب ۔ ہم کو جادو نوا کیا تو نے
پھر جو دیکھا تو کچھ نہ تھا یا رب ۔ کون پوچھے کہ کیا کیا تو نے

حالی اٹھا ہلا کے محفل کو
آخر اپنا کہا کیا تو نے

نفس کی فرمانروائی ہو چکی ۔ خود پسندی خود نمائی ہو چکی
اب ہیں پیری کی عبودیت کے دن ۔ بس جوانی کی خدائی ہو چکی
گرمجوشی۔ لطفِ صحبت ہو چکا ۔ ناخوشی۔ خفگی۔ لڑائی ہو چکی
موت کی راحت فزائی کا ہے وقت ۔ زندگی کی جاں گزائی ہو چکی
قطرہ اب دریا میں جا ملنے کو ہے ۔ تیری میعاد اے جدائی ہو چکی
جلتے ہیں جبریل کے شہپر جہاں ۔ بے پروں کی واں رسائی ہو چکی
دیکھنا ہے تجھ کو اب اے جذبۂ عشق ۔ عقل کی زور آزمائی ہو چکی
قید خانہ میں گیا دل جن کا لگ ۔ اُن اسیروں کی رہائی ہو چکی
دیر میں بھی لیجیے قسمت آزما ۔ مسجدوں میں جبہ سائی ہو چکی
خود بڑا بن کر دکھاؤ آپ کو ۔ باپ دادا کی بڑائی ہو چکی
وقت ہے اے زاہد۔ اب تشہیر کا ۔ شہرتِ زہد ریائی ہو چکی
ہے چڑھائی علم کی مذہب پہ اب ۔ شرک و بدعت کی چڑھائی ہو چکی
فلسفے سے اس کی اب مٹ بھیڑ ہے ۔ سفسطے سے ہاتھا پائی ہو چکی
رہ گئی ہے مذہب و ملت کی جنگ ۔ ملک و دولت کی لڑائی ہو چکی

ہو نہ مذہب کی صفائی جب تلک
اہل مذہب کی صفائی ہو چکی

اب نہیں سُننے کا اے حالیؔ دماغ
بس بہت ہذیان سرائی ہو چکی

مستیٔ جہل ہیں غفلت کا نشا اور سہی
شب تاریک میں گھنگھور گھٹا اور سہی

دوستو! روگ بظاہر نہیں جانیوالا
ہو چکیں ختم دوائیں تو دعا اور سہی

کم نہ تھے روگ جوانی میں بھی کچھ اے پیری
رعشہ اب اور سہی - لغزشِ پا اور سہی

گر گنہ عفو کی امید پہ کرنا ہے خطا
ہیں جہاں لاکھ گنہ ایک خطا اور سہی

شہ کو ہے خوفِ عدو - خوفِ اجل - خوفِ زوال
کہدو - "اے بیخبر! اک خوفِ خدا اور سہی"

بیوفا کونسی خوبی ہے نہیں جو تجھ میں؟
وصف اتنے ہیں جہاں ایک وفا اور سہی

ترک دُنیا کے علائق تو کئے سب نے اہد
گر مناسب ہو - تو اک ترکِ ریا اور سہی

تیری انفاس سے مُردوں کو کیا ہے زندہ
ایک جھونکا اِدھر اے بادِ صبا اور سہی

مدرسہ میں نہ ملا کچھ - تو نہ توڑ آس اے دل
ایک در دولتِ ساقی پہ صدا اور سہی

تم تو حالیؔ یہی طرز اپنی بنا ہے جاؤ
طرزِ شعر فصحا و بلغا اور سہی

نہ عیشِ کیخسروی رہے گا نہ صولتِ بہمنی رہے گی[1]
رہے گی اے منعمو - تو باقی دیئے کی کچھ روشنی رہیگی

رہے گی گردش دکھا کے نیچا جو ہو گئے تارے تم آسماں کے
کسی کی آگے نہیں رہی ہے - نہ اب تمہاری بنی رہے گی

گرایا تورانیوں کو تو نے - پچھاڑا افغانیوں کو
کہاں تلک اے شراب غفلت یہ تیری مردانگی رہیگی

---

[1] یہ غزل ۱۹۰۴ء کی تصنیف ہے ۱۲ (اسماعیل)

رہے گی کس طرح راہ ایمن کہ رہنما بن گئے ہیں رہزن
خدا نگہباں ہے قافلوں کا اگر یہی رہزنی رہے گی

صفائیاں ہو رہی ہیں جتنی دل اتنے ہی ہو رہے ہیں میلے
اندھیرا چھا جائے گا جہاں میں۔ اگر یہی روشنی رہیگی

کریگی کچھ عقل رہنمائی۔ نہ علم سے ہوگی کچھ صفائی
گناہ کی گندگی میں دنیا یونہیں ہمیشہ سنی رہیگی

بگاڑ مذہب نے جو ہیں ڈالے نہیں وہ تا حشر مٹنے والے
یہ جنگ وہ ہے جو صلح میں بھی یونہیں ٹھنی کی ٹھنی رہیگی

قبولیت کی کرو نہ پروا جو چاہو مقبولِ عام ہونا
رہو گے گر حسنِ ظن کے طالب تو تم سے یہاں بدظنی رہیگی

جو چھوڑے میراث کچھ نہ حالی تو اس سے دل تنگ ہوں نہ وارث
رہیں گے ہر حال میں غنی وہ جو نیت ان کی غنی رہیگی

ل سہنے کی بات ہو تو اسے کہہ سنائیے — جو دل پہ بن رہی ہے وہ کیونکر دکھائیے؟
دنیا کی ہو ہوس تو دل و دیں گنوائیے — یاں کھوئیے بہت سا تو کچھ جا کے پائیے
یہ کیا کہ دل ہے دیر میں اور کعبہ میں مقام؟ — ہو رہیے بس وہیں کے جہاں دل لگائیے
گر جان کا ضرر ہے محبت میں ناصحو — ہم جان ہی سے بیٹھے ہیں بیزار جائیے
اور اعتبار رکھتے ہو اپنا رہا سہا — بس آگیا یقیں ہمیں قسمیں نہ کھائیے
بھر پائے بس زمانہ سے جو مانگتے تھے حق — فارغ خطی ہم اپنی ابھی لکھ دیں لائیے
مشکل ہے پاک ہونا اگر دل نہیں ہے پاک — زمزم میں غسل کیجیے کہ گنگا نہائیے
پھرتا ہو جو کہ کودتا غیروں کی آگ میں — خیر اس اجل گرفتہ کی کب تک منائیے

ل یونیورسٹی بل کی طرف اشارہ ہے ۱۲ (حالی)

ہوتی ہجوم غم میں ہے کیوں زہر کی تلاش
حالی بتائیں آپ کو۔ گر کچھ کھلائیے

وصفِ چمن قفس میں سنو عندلیب سے
پوچھو وطن کی قدر مسافر غریب سے

نالوں سے ایک دم نہیں مسکین کو قرار
کیا کہہ گئی چمن میں صبا عندلیب سے

لاگ اور لگاؤ ساتھ گئے سب شباب کے
نفرت رقیب سے نہ اب اُلفت حبیب سے

"اب دل سے دُور رکھو خیالِ نشاطِ عمر"
آواز دے رہا ہے یہ۔ کوئی قریب سے

شادی ہے ایک کی وہی۔ جو دوسرے کا غم
دُنیا کے بھی ہیں شادی و غم کچھ عجیب سے

دُوں ٹہنی نہ دردِ دل کو مروں اسمیں یا جیوں
پانڈے سے لوں صلاح۔ نہ پوچھوں طبیب سے

کہتا ہوں۔ دیکھتا ہوں جسے خوار و بے وقار
"ہے کوئی خاندانِ شریف و نجیب سے"

طالب میں صدق ہے نہ عقیدت مرید میں
ہیں آجکل کے پیر بھی کچھ بدنصیب سے

"پڑھے وہ خطبہ جسمیں کہ صدق و صفا نہ ہو"
کہدو یہ جا کے بر سرِ منبر خطیب سے

فاقے میں تم کو دیکھ کے جاتی ہے بھوک بھاگ
پہنچا ہے نسخہ آپ کو یہ کس طبیب سے؟

اب جس کے جی میں آئے بھرے شاعری کا دم
میدان آجکل ہے یہ خالی نصیب سے

نعم البدل ہے داغ کا حالی "کلامِ داغ"
ذکرِ حبیب کم نہیں وصلِ حبیب سے

تیر پیہم لگائے جاتا ہے
نظروں نظروں میں کھائے جاتا ہے

دیکھئے اور کیا دکھائے فلک
ابھی آنکھیں دکھائے جاتا ہے

دوستوں کو رُلا چکا۔ لیکن
دشمنوں کو ہنسائے جاتا ہے

ہو چکی قوم مُردہ۔ پر جلّاد
ابھی دُرّے لگائے جاتا ہے

گو کہ حالی میں دم نہیں باقی
ڈور اپنی ہلائے جاتا ہے

گو نہیں آس خیر کی۔ لیکن
خیر سب کی منائے جاتا ہے

اب سُنے اس میں کوئی۔ یا نہ سُنے
وہی راگ اپنا گائے جاتا ہے

حصّہ دوم تمام شد

حصّہ سوم

رباعیات

وہ رباعیات جو مولانا نے دیوان مرتب کرتے وقت اس میں درج کی تھیں سَو کے قریب ہیں یہ رباعیاں دیوان سے علیحدہ بھی "رباعیاتِ حالی" کے نام سے کتابی شکل میں مختلف مطابع سے متعدد بار چھپ کر شائع ہو چکی ہیں اور ملک میں ان کی کافی شہرت ہو چکی ہے۔

دیوانِ حالی کے شائع ہونے کے بعد بھی (جو کہ پہلی مرتبہ ۱۸۹۳ء میں چھپا تھا) مولانا نے بہت سی رباعیاں کہی تھیں جو مختلف اخبارات و رسائل میں شائع ہوتی رہتی تھیں۔ ان سب کو میں نے تلاش کر کے "جواہراتِ حالی" میں درج کر دیا تھا جو مولانا کی غیر مطبوعہ اور پراگندہ نظموں کا مجموعہ ہے اور گذشتہ سال چھپ کر شائع ہو چکا ہے۔

اب یہاں نئی و پرانی۔ جدید و قدیم۔ مطبوعہ و غیر مطبوعہ غرض تمام رباعیات جو مل سکیں درج کی جاتی ہیں۔ وہ بھی تمام رباعیات اس میں ہیں جو دیوانِ حالی میں تھیں اور وہ بھی جن کو میں نے جواہراتِ حالی میں جمع کیا تھا۔ تمیز کے لئے جواہرات حالی والی رباعیوں کو میں نے آخر میں درج کیا ہے اور ہر ایک رباعی پر لکھ دیا ہے کہ وہ کہاں سے حاصل کی گئی ہے۔

اسماعیل

توحید

کانٹا ہے ہر اک جگر میں اٹکا تیرا — حلقہ ہے ہر اک گوش میں لٹکا تیرا
مانا نہیں جس نے تجھکو۔ جانا ہی ضرور — بھٹکے ہوئے دل میں بھی ہے کھٹکا تیرا

ایضاً

ہندو نے صنم میں جلوہ پایا تیرا — آتش پہ مغاں نے راگ گایا تیرا
دہری نے کیا دہر سے تعبیر تجھے — انکار کسی سے بن نہ آیا تیرا

ایضاً

طوفان میں جب جہاز چکر کھاتا — جب قافلہ وادی میں ہے سر ٹکراتا
اسباب کا آسرا ہے جب اٹھ جاتا — واں تیرے سوا کوئی نہیں یاد آتا

ایضاً

جب لیتے ہیں گھیر تیری قدرت کے ظہور — منکر بھی پکار اٹھتے ہیں تجھکو مجبور
خفاش کو ظلمت کی نہ سوجھی کوئی راہ — خورشید کا شش جہت میں پھیلا جب نور

ایضاً

جب یاوسی دلوں پہ چھا جاتی ہے — دشمن سے بھی نام تیرا جپواتی ہے
ممکن ہے کہ سکھ میں بھول جائیں اطفال — لیکن انھیں دکھ میں ماں ہی یاد آتی ہے

ایضاً

مٹی سے۔ ہوا سے۔ آتش و آب سے یاں — کیا کیا نہ ہوئے بشر پہ اسرار عیاں
پر۔ تیرے خزانے ہیں ازل سے ابتک — گنجینۂ غیب میں اسی طرح نہاں [1]

---

[1] یعنی جو کچھ ابتک ظاہر ہوا ہے وہ بمقابلہ اس کے جو خزانہ غیب میں مخفی ہے کان لم یکن ہے ۱۲ (حالی)

توحید

ہستی سے ہی تیری رنگ و بو سب کے لئے　　طاعت میں ہی تیری آبرو سب کے لئے
ہیں تیرے سوا سارے سہارے کمزور　　سب اپنے لئے ہیں اور تو سب کے لئے

ایضاً

کیا ہو گی دلیل تجھ پہ اور اس سے زیاد　　دنیا میں نہیں ہے ایک دل جو کہ ہو شاد
پھر جو کہ ہیں تجھ سے لو لگائے بیٹھے　　رہتے ہیں ہر ایک رنج و غم سے آزاد

نعت

زہاد کو تو نے محو تمجید کیا　　عشاق کو مست لذت دید کیا
طاعت میں ہاں حق کی ساجھی کوئی　　توحید کو تو نے آ کے توحید کیا

ایضاً

بطحائے عرب کو محترم تو نے کیا　　اور اُمیوں کو خیر امم تو نے کیا
اسلام نے ایک کر دیا روم و تتار　　بچھڑے ہوئے گلہ کو بہم تو نے کیا

ایضاً

بطحا کو ہوا تیری ولادت سے شرف　　یثرب کو ملا تیری اقامت سے شرف
اولاد ہی کو فخر نہیں کچھ تجھ پر　　آبا کو بھی ہے تیری ابوت سے شرف

صلح کل

ہندو سے لڑیں نہ گبر سے بیر کریں　　شر سے بچیں اور شر کے عوض خیر کریں
جو کہتے ہیں یہ کہ ہے جہنم دنیا　　وہ آئیں اور اس بہشت کی سیر کریں

ترکِ شعر [illegible]

بلبل کی چمن میں ہمزبانی چھوڑی   بزمِ شعرا میں شعر خوانی چھوڑی
جب سے دلِ زندہ تو نے ہمکو چھوڑا   ہم نے بھی تری رام کہانی چھوڑی

پیرانِ زندہ دل

خوش رہتے ہیں گھر میں کامرانوں کیطرح   ہیں ضعف سے لڑتے پہلوانوں کیطرح
دل اُنکے ہیں ظرف آگے۔ جو کرتے ہیں تیر   ہنس بول کے پیری کو جوانوں کی طرح

نیکی اور بدی پاس پاس ہیں

جو لوگ ہیں نیکیوں میں مشہور بہت   ہوں نیکیوں پر اپنی نہ مغرور بہت
نیکی ہی خود اک بدی ہے گر ہو نہ خلوص   نیکی سے بدی نہیں ہے کچھ دُور بہت

امتحان کا وقت

زاہد کہتا تھا جان ہے دین پہ قربان   پر آیا جب امتحان کی زد پر ایمان
کی عرض کسی نے کہئے اب کیا ہے صلاح؟   فرمایا کہ "بھائی جان جی ہے تو جہان"

عشق

ہے عشق طبیب دل کے بیماروں کا   یا گھر ہے وہ خود ہزار آزاروں کا
ہم کچھ نہیں جانتے۔ پہ اتنی ہے خبر   اک مشغلہ دلچسپ ہے بیکاروں کا

نیکوں کی جانچ

نیکوں کو نہ ٹھہرائیو بد اے فرزند   اک آدھ ادا اُن کی اگر ہو نہ پسند
کچھ نقص انار کی لطافت میں نہیں   ہوں اُسمیں اگر گلے سڑے دانے چند

دوستوں سے بیجا توقع

تا زیست وہ محوِ نقشِ موہوم رہے   جو طالبِ دوستانِ معصوم رہے
اصحاب سے بات بات پر جو بگڑے   صحبت کی وہ برکتوں سے محروم رہے

شراب اور جوانی

ہو بادہ کشی پہ نہ جو انو مفتون — گردن پہ نہ لو عقلِ خداداد کا خون
خود عہدِ شباب اک جنوں ہے اب تم — کرتے ہو فزوں جنون پہ اک اور جنون

غرور سب عیبوں سے بدتر ہے

ممکن نہیں یہ کہ ہو بشر عیب سے دور — پر عیب نہ بچئے تا بمقدور ضرور
عیب اپنے گھٹاؤ پر خبردار رہو — گھٹنے سے کہیں اُن کے نہ بڑھ جائے غرور

گفتار و کردار میں اختلاف

جو کرتے ہیں کچھ۔ زباں سے کہتے ہیں وہ کم — ہوتے نہیں ساتھ جمع دم[1] اور قدم
بڑھتا گیا جس قدر کہ حسنِ گفتار — بس اُتنے ہی گھٹتے گئے کردار میں ہم

شرطِ قبول

ممکن ہے کہ جوہری کی نہ ہو قدر کہیں — پر قدر کہیں بغیر جوہر کے نہیں
عنبر کو نہ لیں مفت یہ امکاں ہے۔ مگر — عنبر کی جگہ نہ لے گا کوئی سرگیں[2]

طالب کو سوچ سمجھکر پیر بنانا چاہیئے

ہوں یا نہوں پیر اہلِ عرفان و یقین — پر ڈر ہے کہ طالب نہوں نادان کہیں
گاہک کو ہے احتیاج چار آنکھوں کی — اور ایک کی بھی بیچنے والے کو نہیں

عالم و جاہل میں کیا فرق ہے

ہیں جہل میں سب عالم و جاہل ہمسر — آتا نہیں فرق اسکے سوا اُنمیں نظر
عالم کو ہے علم اپنی نادانی کا — جاہل کو نہیں جہل کی کچھ اپنے خبر

موجودہ ترقی کا انجام

پوچھا جو کل انجام ترقیٔ بشر — یاروں سے کہا پیر مغاں نے ہنس کر

---

[1] دم دعویٰ اور قدم عمل ۱۲۔ حالی
[2] سرگیں کے معنی گوبر کے ہیں۔ ۱۲۔ اسماعیل

باقی نہ رہیگا کوئی انسان میں عیب ۔ ہو جائینگے چل چلاکے سب عیب ہنر

مسرف کو کیونکر فراغت حاصل ہو سکتی ہے

اک منعم مسرف نے یہ عابد سے کہا ۔ "کر میرے لئے حق سے فراغت کی دعا"
عابد نے کہا یہ ہاتھ اٹھا کر سوئے چرخ ۔ "محتاج کر اِس کو جلد اے بار خدا"

کام کی جلدی

یاں رہنے کی مہلت کوئی کب پاتا ہے ۔ آتا ہے اگر آج تو کل جاتا ہے
جو کرنے ہیں کام ان کو جلدی بھگتاؤ ۔ طلبی کا پیام وہ چلا آتا ہے

غرض

ہے نفس میں انسان کے جبلّی یہ مرض ۔ ہر سعی پہ ہوتا ہے طلبگار عوض
جو خاص خدا کے لئے تھے کام کئے ۔ دیکھا تو نہاں انہیں بھی تھی کوئی غرض

انقلاب روزگار

بن بن کے ہزاروں گھر اجڑ جاتے ہیں ۔ گڑ گڑ کے علم لاکھوں اکھڑ جاتے ہیں
آج اس کی ہے نوبت تو کل اُسکی باری ۔ بن بن کے یونہیں کھیل بگڑ جاتے ہیں

تقاضائے سن

حالی کو جو کل فسردہ خاطر دیکھا ۔ پوچھا باعث تو ہنس کے یہ فرمایا
"رکھو نہ اب اگلی صحبتوں کی امید ۔ وہ وقت گئے اب اور موسم آیا"

جسکو زندگانی کا بھروسہ نہیں وہ کوئی بڑا کام نہیں کر سکتا

دنیائے دنی کو نقش فانی سمجھو ۔ رُوداد جہاں کو اک کہانی سمجھو
پر جب کرو آغاز کوئی کام بڑا ۔ ہر سانس کو عمر جاودانی سمجھو

آثار زوال

آبا کو زمین و ملک پر اطمینان ۔ اولاد کو سستی پہ قناعت کا گمان

بچے آوارہ اور بیکار جوان　　ہیں ایسے گھرانے [illegible]

شانِ اِدبار

صحرا میں جو پایا ایک چٹیل میدان　　برسات میں [illegible]
مایوس تھے جس کے جوتنے سے دہقان　　یاد آئی ہمیں [illegible]

نفاق کی علامت

ہر بزم میں آفریں کے لائق ہونا　　شیریں سخنی سے شہد فایق ہونا
ممکن نہیں جب تک کہ ہو دل میں نفاق　　آسان نہیں مقبولِ خلائق ہونا

مسلمانوں کی بہیری

جب تک کہ ہو دشمنِ اخواں پکّا　　ہوتا نہیں مومن کا اب ایماں پکّا
ہم قوم کی خیر مانگتے ہیں حق سے　　سنتے ہیں کسی کو جب "مسلماں پکّا"

مکر و ریا

حالی رہِ راست جو کہ چلتے ہیں سدا　　خطرہ انھیں گرگ کا نہ ڈر شیروں کا
لیکن اُن بھیڑیوں سے واجب ہے حذر　　بھیڑوں کے لباس میں ہیں جو جلوہ نما

جوہرِ قابلیت

ہیں سب بشروں میں قابلیت کے نشان　　پوشیدہ ہیں وحشیوں میں اکثر انسان
عاری ہیں لباسِ تربیت سے ورنہ　　ہیں طوسی و رازی انھیں شکلوں میں نہاں

علم

اے علم کیا ہے تو نے ملکوں کو نہال　　غائب ہوا تو جہاں سے وہاں آیا زوال
اُن پہ ہوئے غیب کے خزانے مفتوح　　جن قوموں نے ٹھہرایا تجھے راس المال

ایضاً

اے علم کلیدِ گنجِ شادی تو ہے　　سرچشمۂ نعمت و آبادی تو ہے

باقی نہ رہیگا کہاں ہے سایہ میں ترے ۔ دنیا کا وسیلہ دین کا ہادی تو ہے

علم

ہے تجھ سے نہال جیسی مغرب کی زمین ۔ مشرق کو وہ فیض تجھ سے اے علم نہیں
شاید اے علم ماہِ نخشب کی طرح ۔ رہتی ہیں شعاعیں تری محدود وہیں

خاندانی عزت

بیٹا نکلے نہ جب تلک ذلت سے ۔ عزت نہیں اس کو باپ کی عزت سے
سوچو تو ہے کھات کا نسب بھی عالی ۔ پر اس کو شرف نہیں کچھ اس نسبت سے

عزت کس چیز میں ہے

دولت نے کہا "مجھ سے ہی عزت ہے جہان" ۔ فرمایا ہنر نے "میں ہوں عزت کا نشان"
عزت بولی "غلط ہے دونو کا بیان ۔ میں بھید ہوں حق کا جو ہے نیکی میں نہان"

توقع بیجا

ہیں یار رفیق ۔ پر مصیبت میں نہیں ۔ ساتھی ہیں عزیز ۔ لیک ذلت میں نہیں
اس بات کی انسان سے توقع ہے عبث ۔ جو نوعِ بشر کی خود جبلت میں نہیں

عقل اور دوستی متضاد ہیں

ہے عقل میں جسقدر کمی اور بیشی ۔ اتنی ہی مغائرت ہے بیاں اور خویشی
وہ دوست نہیں جس نے کیا فکر مآل ۔ ضدین ہیں دوستی و دور اندیشی

عیش و عشرت

عشرت کا ثمر تلخ سدا ہوتا ہے ۔ ہر قہقہہ پیغام بکا ہوتا ہے
جس قوم کو عیش دوست پاتا ہوں میں ۔ کہتا ہوں کہ "اب دیکھیے کیا ہوتا ہے"

ایضاً

اے عیش و طرب تم نے جہاں راج کیا ۔ سلطان کو گدا غنی کو محتاج کیا

ویران کیا تو نے نینوا اور بابل بغداد کو قرطبہ کو تاراج کیا

غیبت

رونق ہے ہر اک بزم کی اب غیبت میں بدگوئی خلق ہے ہر اک صحبت میں

اوروں کی بُرائی ہی پہ ہے فخر وہاں خوبی کوئی باقی نہیں جس امت میں

عشق

اے عشق کیا تو نے گھرانوں کو تباہ پیروں کو خرِفت اور جوانوں کو تباہ

دیکھا سدا اسلامتی میں تیری وتیموں کو ذلیل۔ خاندانوں کو تباہ

سببِ زوالِ سلطنت

دیکھو جس سلطنت کی حالت درہم سمجھو کہ وہاں ہے کوئی "برکت کا قدم"

یا تو کوئی بیگم ہے مشیرِ دولت یا ہے کوئی مولوی وزیرِ اعظم

دین و دُنیا کا رشتہ

دنیا کو دیئے دین نے اسرار و حکم دُنیا نے کمر دین کی تھامی جس دم

گر دین کی ممنون بہت ہے دُنیا دُنیا کے بھی احسان نہیں دین پہ کم

آزادگانِ راستباز کی تکفیر

یاروں میں نہ پایا جب کوئی عیب گناہ کافر کہا واعظ نے انھیں اور گمراہ

جھوٹے کو نہیں ملتی شہادت جس وقت لاتا ہے خدا کو اپنے دعوی پہ گواہ

لہ یعنی کفر و ضلالت ایسی چیزیں ہیں جنکا علم خدا کے سوا اور کسی کو نہیں ہو سکتا۔ مثلاً شیخ اکبر کو بعضوں نے صدیق کہا ہے اور بعضوں نے زندیق اور یہ بات کہ وہ فی الواقع صدیق تھے یا زندیق خدا کے سوا اور کوئی نہیں جانتا پس جب شخص میں کوئی ظاہری اخلاقی بُرائی یا عیب موجود نہو اسکی تکفیر یا تضلیل کرنی ایسی بات ہے جیسے کسی جھوٹے مدعی کو شہادت نہ ملے اور وہ اپنے دعوی پہ خدا کو گواہ قرار دیکر ۱۲ (حالی)

بے پروائی و بے غیرتی

اسباب پہ گر نظمِ جہاں کا ہے مدار اُس قوم کا جینا ہے محالی و دشوار
عزت کی نہیں ہے جن کو ہرگز پروا ذلت سے نہیں ہے جن کو ہرگز کچھ عار

عفو باوجود قدرتِ انتقام

موسیٰ نے یہ کی عرض کہ "اے بارِ خدا مقبول ترا کون ہے بندوں میں سوا؟"
ارشاد ہوا "بندہ ہمارا وہ ہے جو لے سکے اور نہ لے بدی کا بدلا"

سختی کا جواب نرمی سے

فتنہ کو جہاں تلک ہو دیجے تسکیں زہر اُگلے کوئی تو کیجے باتیں شیریں
غصہ غصے کو اور بھڑکاتا ہے اس عارضہ کا علاج بالمثل نہیں

ہمت

تیمور نے اک مورچہ زیرِ دیوار دیکھا کہ چڑھا دانہ کو لیکر سو بار
آخر سرِ بام لیکے پہونچا تو کہا "مشکل نہیں کوئی پیش ہمت دشوار"

کم ہمتی

جبریہ و قدریہ کی بحث و تکرار دیکھا تو نہ تھا کچھ اس کا مذہب پہ مدار
جو کم ہمت تھے ہو گئے وہ مجبور جو باہمت تھے بن گئے وہ مختار

پشیمانی

انجام ہے جو کفر کی طغیانی کا ثمرہ ہے وہی غفلت و نادانی کا
لذت سے ندامتوں کی جانا ہم نے دوزخ بھی ہے اک نام پشیمانی کا

تاسف بر فات نواب ضیاء الدین احمد خاں مرحوم نیر تخلص دہلوی

قمری ہے نہ طاؤس نہ کبکِ طناز آتے ہی خزاں کے کر گئے سب پرواز

تھی باغ کی یادگار اک بلبلِ زار   سو اسکی بھی کل سے نہیں آتی آواز

ایضاً

غالب[۵] ہے نہ شیفتہ نہ نیّر باقی   وحشت ہے نہ سالک ہے نہ انور باقی
حالی اب اسی کو بزمِ یاراں سمجھو   یاروں کے جو کچھ داغ ہیں دل پر باقی

محنت

محنت ہی کے پھل ہیں یاں ہر اک دامن میں   محنت ہی کی برکتیں ہیں ہر خرمن میں
موسیٰؑ کو ملی نہ قوم کی چوپانی   جب تک نہ چرائیں بکریاں مدین میں

گدائی کی ترغیب

اک مردِ توانا کو جو سائل پایا   کی میں نے ملامت اور بہت شرمایا
بولا کہ ہے اس کا انکی گردن پہ وبال   دے دیکے جنھوں نے مانگنا سکھلایا

تکفیر اہلِ اسلام

کہنا فقہا کا مومنوں کو بے دین   سنتے سنتے یہ ہو گیا ہم کو یقین
مومن سے ضرور ہوگا مرقد میں سوال   "تکفیر بھی کی تھی فقہا نے کہ نہیں؟"

ترکِ عاشقانہ گوئی

کچھ قوم کی ہے سوگواری سن لو   کچھ چشمِ جہاں میں اپنی خواری سن لو
افسانۂ قیس و کوہکن یاد نہیں   چاہو تو کتھا ہم سے ہماری سن لو

تنزلِ اہلِ اسلام

پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھے   اسلام کا گر کر نہ ابھرنا دیکھے
مانے نہ کبھی کہ مد ہے ہر جزر کے بعد   دریا کا ہمارے جو اترنا دیکھے

---

[۵] یہ اُن شعرائے دہلی کے نام ہیں جن کے ساتھ راقم کو ربط و اختصاص رہا ہے تمام اس سے کہ وہ مشہور و نامور ہوں یا نہوں ۱۲ (حالی)

اوّل کوشش اور بعد دُعا

حق میں ہی شرط ابتدا انسان سے — پھر چاہیئے مانگنی مدد یزدان سے
جب تک کہ نہ کام دست و بازو سے لیا[1] — پائی نہ نجات نوحؑ نے طوفان سے

کام کرنا جان کے ساتھ ہے

ہے جان کے ساتھ کام انسان کے لئے — بنتی نہیں زندگی میں بے کام کئے
جیتے ہو تو کچھ کیجئے زندوں کی طرح — مُردوں کی طرح جئے تو کیا خاک جئے

جھوٹی نمائش

ہیں جھوٹ کے سچ میں سب سمونیوالے — بننے والوں سے کم ہیں ہونیوالے
گھڑیاں رہتی ہیں جنکی جیبوں میں مدام — اکثر ہیں وہی وقت کے کھونیوالے

چند عیب بہت سی خوبیوں کو نہیں مٹا سکتے

موجود ہنر ہوں ذات میں جسکی ہزار — بد ظن ہو عیب اسمیں اگر ہوں دو چار
طاؤس کے پاؤں زشت پر کرکے نظر — کر حسن و جمال کا نہ اُس کے انکار

سکوت درویش جاہل

مصروف جو ورد و وظیفہ خوانی میں ہیں آپ — خیر اپنی سمجھتے بے زبانی میں ہیں آپ
بولیں کچھ مُنہ سے یا نہ بولیں حضرت — معلوم ہے ہمکو جتنے پانی میں ہیں آپ

ملحدوں کا طعن مسلمانوں پر

کہتا تھا کل اک منکرِ قرآن و خبر — کیا لیں گے یہ اہلِ قبلہ باہم لڑ کر
کچھ دم ہے تو میدان میں آئیں ورنہ — کُتّا بھی ہے شیر اپنی گلی کے اندر

---

[1] یعنی جب تک کہ کشتی نہ بنائی۔ ۱۲ (حالی)

دہری کا الزام گور پرست پر

اک گور پرست نے یہ دہری سے کہا — "ہوگا نہ شقی کوئی جہاں میں تجھ سا"
دہری نے کہا کہ "کیا خدا کا منکر؟ — اُس سے بھی گیا کہ جسکے لاکھوں ہوں خدا"

دانا کا حال نادانوں میں

کیا فرق؟ وساعت نہو جب کانوں میں — دانائی کی باتوں میں اور افسانوں میں
غربت میں ہو اجنبی مسافر جس طرح — دانا کا یہی حال ہے نادانوں میں

رفارم کی حد

دھونے کی ہے اے رفارمر جا باقی — کپڑے پہ ہے جب تلک کہ دھبّا باقی
دھو شوق سے دھبے کو پہ اتنا نہ رگڑ — دھبّا رہے کپڑے پہ نہ کپڑا باقی

اپنی تعریف سن کر ناک چڑھانا

تعریف سے کھِل جاتے ہیں ناداں فی الفور — داناؤں کے لیکن نہیں ہرگز یہ طور
ہوتے ہیں بہت وہ مدح سُن کر ناخوش — مقصود یہ ہے کہ ہو ستائش کچھ اور

حسنِ ظن اصل حال نہیں کھُلنے دیتا

صوفی کو کسی نے آزمایا ہی نہیں — نیکی میں شک اسکی کوئی لایا ہی نہیں
ہو سکّہ رائج میں بھی شاید کچھ کھوٹ — پر اُسکو کسی نے یاں تپایا ہی نہیں

دینداروں کی برائیاں دین کو عیب لگاتی ہیں

اسلام پہ طعنہ زن ہیں اقوام تمام پاتے ہیں زبوں جو حال اہلِ اسلام
اور مفت میں ہو گیا مسیحا بدنام بد پرہیزی سے بگڑے اپنے بیمار

فکرِ عقبیٰ

مواج ہے بحر۔ رکھو کشتی کی خبر منزل ہے بعید۔ باندھ لو زادِ سفر
ہلکا کرو بوجھ ہے کٹھن راہگذر گاہک چوکس ہے۔ لے چلو مال کھرا

انسان کی حقیقت

ممکن ہے۔ بدی کا نہ رہے اس میں نشان ممکن ہے کہ ہو جائے فرشتہ انسان
انسان ہی اب تک وہی قرن الشیطان ممکن تو ہی سب کچھ پہ حقیقت یہ ہے

سلاطین کا عشق

پر حق میں ہے شاہوں کے خصوصاً بد فال ہر چند برا ہے عشق کا سب کے مآل
ہو ظلِ الٰہی کے لئے وقتِ زوال سلطان ہو اگر ظلِ الٰہی۔ تو عشق

وقت کی مساعدت

پر تجھ سے۔ بگڑنے کا نہیں ہے یارا اے وقت بگاڑ کا ہی سب کے چارہ
پھر غم نہیں پھر جائے زمانہ سارا ہو جائے گر ایک تو ہمارا ساتھی

بڑھاپے میں موت کے لئے تیار رہنا چاہیئے

انجام کی رکھی نہ جوانی میں خبر کی طاعتِ نفس میں بہت عمر بسر
مجلس کرو برخاست۔ ہوا وقتِ سحر کیفیتِ شب اٹھا چکے اب حالی

دولت میں ثابت قدم رہنا بہت مشکل ہے

ڈر ہے کہ پڑے نہ ہاتھ دل سے دھونا　　زردار ذرا سوچ سمجھ کر ہونا
جسطرح کہ سونے کی کسوٹی ہے محک　　ہے جوہرِ انسان کی کسوٹی سونا

حد سے زیادہ غصہ قابل عفو ہے

غصہ پہ کسی کے غصہ آتا ہے وہیں　　جبتک کہ رہے وہ عقل و دانش کے قریں
آپے سے جب اپنے ہوگیا تو باہر　　پھر کس سے ہوں آزردہ کہ تو تو ہی نہیں

سُفہا کی مدح و ذم

کرتے ہیں سفیہ گر مذمت تیری　　کر شکر کہ ثابت ہوئی عصمت تیری
پر مدح کریں وہ گر (نصیبِ اعدا)　　رکھ یاد کہ اچھی نہیں حالت تیری

مرضِ پیری لاعلاج ہے

اب ضعف کے پنجہ سے نکلنا معلوم　　پیری کا جوانی سے بدلنا معلوم
کھوئی ہے وہ چیز جسکا پانا ہے محال　　آتا ہے وہ وقت جس کا ٹلنا معلوم

اِسراف

مُسرف نہ بس اپنے حق میں کانٹے بوئیں　　نعمت نہ خدا کی رائگاں یوں کھوئیں
گر بخل پہ لوگ اُن کے ہنسیں بہتر ہے　　اِس سے کہ فضولیوں پہ اُن کی رو دیں

ردِّ سوال

یہ سچ ہے کہ مانگنا خطا ہے نہ صواب　　زیبا نہیں سائل پہ مگر قہر و عتاب
بدتر ہے ہزار بار اسے دُون ہمت　　سائل کے سوال سے ترا تلخ جواب

کھانا بغیر بھوک کے مزا نہیں دیتا

کھانے تو بہت میسر آئے ہیں ہمیں، جو دیکھ کے چکھ کے دل سے بھائے ہیں ہمیں
پر سب سے لذیذ تھے وہ کھانے اے بھوک جو تو نے کبھی کبھی کھلائے ہیں ہمیں

علم و عمل کا سرمایہ مال و دولت سے بہتر ہے

چھوڑو کہیں جلد مال و دولت کا خیال مہمان کوئی دن کے ہیں دولت ہو کہ مال
سرمایہ کرو وہ جمع جس کو نہ کبھی اندیشۂ فوت ہو نہ ہو خوفِ زوال

اچھوں کو برا سننے میں بھی مزا آتا ہے

رکھتے نہیں وہ مدح و ثنا کی پروا جو کر کے بھلا خلق سے سنتے ہیں برا
اِن گالیوں کا ہے جن کو چسکا حالی آتا نہیں اُن کو کچھ دعاؤں میں مزا

شکریہ[۱] مدحِ کلامِ راقم

جوشِ خُمِ بادہ جامِ خسالی میں ہوا پھر ولولہ پیدا دلِ حالی میں ہوا
تسلیم نے دی کچھ اس طرح دادِ سخن مجھکو بھی شک اپنی بے کمالی میں ہوا

احسان بے منت

احساں کے ہے گر صلہ کی خواہش تم کو تو اِس سے یہ بہتر ہے کہ احسان نہ کرو

---

[۱] مولوی سلیم الدین مرحوم نارنولی مقیم جےپور متخلص بہ تسلیم نے چند قطعے اردو فارسی کے راقم کے کلام کی ستایش میں اُسوقت بھیجے تھے جبکہ مدت سے فکرِ شعر کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ اُن قطعوں کے جواب میں یہ رباعی لکھی گئی تھی۔ ۱۲ (حالی)

کرتے ہو اگر احسان تو کر دو اسے عام اتنا کہ جہاں میں کوئی ممنون نہ ہو

قانون بد اخلاقی سے مانع نہیں ہوتے

قانون ہیں بیشتر یقیناً بیکار حاشا کہ ہو اُن پہ نظمِ عالم کا مدار
جو نیک ہیں انکو نہیں حاجت اُنکی اور بد نہیں بنتے نیک اُن سے زنہار

مخالفت کا جواب خاموشی سے بہتر نہیں

حق بول کے اہلِ شر سے اُڑنا نہ کہیں بھڑکے گی مدافعت سے اور آتشِ کین
گر چاہتے ہو کہ چُپ رہیں اہلِ خلاف جز ترکِ خلاف کوئی تدبیر نہیں

ٹیکس

واعظ نے کہا کہ وقت سب جاتے ہیں ٹل
اک وقت سے اپنے نہیں ٹلتی تو اجل
کی عرض یہ اک سیٹھ نے اُٹھکر کہ حضور
ہے ٹیکس کا وقت بھی اسی طرح اٹل"

انسان اپنے عیب اپنے سے بھی چھپاتا ہے

جیسا نظر آتا ہوں نہ ایسا ہوں میں اور جیسا سمجھتا ہوں نہ ویسا ہوں میں
اپنے سے بھی عیب ہوں چھپاتا اپنے بس مجھکو ہی معلوم ہے جیسا ہوں میں

بڑھاپے میں عاشقی کا دم بھرنا

ہیں پیری میں شیخ! بھرتے نہیں یوں دل دیتے ہیں۔ پہ جی گزرتے نہیں یوں

تھے ہم تو ہر اِک قید سے آزاد سدا ۔ جو جیتے ہیں اسطرح وہ مرتے ہیں یوں

واعظوں کی سخت کلامی

اِک گبر نے پُوچھے جو اصولِ اسلام ۔ واعظ نے درُشتی سے کیا اُس سے کلام

بولا کہ "حضور مقتدا ہوں جس کے ۔ ایسی مِلّت اور ایسے مذہب کو سلام"

نوابِ وقار الامرا اقبال الدولہ بہادر کی شان میں

توفیق[لہ] نے اُس کی چھوڑ دی ہمراہی

اقبال ہے جس نے فتحیابی پائی

حالیؔ سے جائے کون بازی اُن سے

ہے جن کی رگوں میں خونِ آصفجاہی

عادت پڑی ہوئی مشکل سے جاتی ہے

ہو عیب کی خُو یا کہ ہُنر کی عادت ۔ مُشکل سے بدلتی ہے بشر کی عادت

چھٹتے ہی چھٹے گا اُس گلی میں جانا ۔ عادت اور وہ بھی عُمر بھر کی عادت

لہ یہ رباعی سنہ ۱۳۰۵ھ میں جبکہ راقم حیدر آباد میں مقیم تھا اور نواب وقار الامرا امبیٔ سے پولو میں بازی جیت کر آئے تھے۔ لکھی تھی مگر اُن کی خدمت میں بھیجی نہیں گئی۔ خونِ آصف جاہی میں اِس بات کا اشارہ ہے کہ حضور سے قرابت قریبہ رکھتے ہیں اور اقبال کے لفظ میں اُن کے خطاب کی طرف اشارہ ہے۔ ۱۲ (حالی)

عاشق کا نوحہ

مرنے پہ مرے وہ روز و شب روئیں گے — جب یاد کرینگے مجھے تب روئیں گے
الفت پہ۔ وفا پہ۔ جاں نثاری پہ مری — آگے نہیں روتے تھے تو اب روئیں گے

فرقت کی رات

فرقت میں بشر کی رات کیونکر گذرے — اک خستہ جگر کی رات کیونکر گذرے
گذری ہی نہ ہو جس بغیر یاں ایک گھڑی — یہ چار پہر کی رات کیونکر گذرے؟

معشوق کی یاد

یاد اُس کی یہاں وِردِ مُدام اپنا ہے — خالی نہ ہو کبھی وہ جام اپنا ہے
کس طرح نہ لیجیے کہ ہے نام اُس کا — کس طرح نہ کیجیے کہ کام اپنا ہے

قولِ حق کا پاس

کیا پاس تھا قولِ حق کا اللہ اللہ — تنہا تھے پہ اعدا سے یہ فرماتے تھے شاہ
مَیں اور اطاعتِ یزیدِ گمراہ!!! — لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہ

حُر کی آرزو

حُر کہتا تھا اے دل شہ ذیجاہ سے مل — گمرہ نہ ہو رہبرِ حق آگاہ سے مل
سرگشتگی کوئے ضلالت کب تک؟ — اللہ سے ملنا ہو تو چل شاہ سے مل

یزید

گر کفر میں فرعون کا ثانی نکلا — اک شام میں بیداد کا بانی نکلا
سمجھا تھا نہ تھاہ بحرِ غفلت کی یزید — واں نیل سے بھی زیادہ پانی نکلا

توحید[۵۱]

ہستی تری گو نہیں ہے محتاجِ دلیل — صبرِ دلِ مضطر کی مگر کیا ہے سبیل؟
یہ طبعِ خسیس مطمئن ہو کیوں کر — بے دیکھے ہوا نہ مطمئن جبکہ خلیل[۵۲]

ایضاً

اے عقل کی فہم کی رسائی سے دُور — ادراک سے اوجھل۔ تو نظر سے مستور
یہ حسرتِ دید دل میں قائم رکھیو — بس یاس کی ظلمت میں یہی ہے اک نور

ایضاً

سقراط منادی میں تری کام آیا — سر تیرے لئے حسینؓ نے کٹوایا

---

۵۱ یہ رباعی اور اس کے آگے چوبیس رباعیاں "علیگڈھ انسٹیوٹ گزٹ" مطبوعہ ۲۰ مارچ ۱۹۰۷ء سے نقل کی گئی ہیں ۱۲

۵۲ چوتھے مصرع میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اُس جواب کی طرف اشارہ ہے۔ جو اُنھوں نے جنابِ الٰہی میں عرض کیا تھا کہ "بلیٰ ولکن لیطمئن قلبی"

مرکر ہوئی پاسے پیالہ سرلیوا کر پایا تجھے جس نے اس نے سب کچھ پایا

ایضاً

دریا سے اٹھا کے بھاپ مینہ برسایا پیراہن سبز خاک کو پہنایا
دانے کو کیا نخل تناور تو نے پانی جڑ سے پھننگ تک دوڑایا

خدا کی بے نیازی

منوائی ہے ہار سب سے بازی نے تری طبقے الٹے ہیں ترکتازی نے تری
ہے کالو ہی اور کربلا اس پہ گواہ جو گھر گھالے ہیں بے نیازی نے تری

طالبِ صادق آخر کامیاب ہوتا ہے

طالب کا رہے گا پڑ کے پاسا آخر دے گا اسے صدقِ دل دلاسا آخر
جھوٹی نہیں گر پیاس۔ تو آگے پیچھے دریا پہ پہنچ رہے گا پیاسا آخر

تشنگیِ طلب

کب تک کوئی سوزشِ نہانی کو چھپائے کب تک اپنے کو تشنہ سیراب دکھائے
کچھ اور دھرا ہے تری اے ساقی! پتھر کا کلیجا ہو تو پانی ہو جائے

پیری

علم و عمل و کتاب سے نفرت ہے لکھنے پڑھنے کے نام سے وحشت ہے

تو نے ہر درد سر سے دی آ کے نجات	پیری! رحمت ہو! تجھ کو صد رحمت ہے

ایضاً

پیری نہیں منزل فنا ہے گویا	اب کوچ کا وقت آ لگا ہے گویا
یوں جسم سے ہو گئی حرارت کافور	اک راکھ کا ڈھیر رہ گیا ہے گویا

انسان کی عظمت بقدر قلّت حاجت ہے

دولت کی ہوس اصل گدائی ہے یہ	سامان کی حرص بے نوائی ہے یہ
حاجت کم ہے۔ تو ہے یہ شہنشاہی	اور کچھ نہیں حاجت۔ تو خدائی ہے یہ

افراطِ دولت کی مذمّت

محنت سے وصول ایک پیسا ہو اگر	کر اشرفیوں کی تھیلی پر نہ نظر
یہ کینچلی ہیں بھرا ہوا سانپ ہی سانپ!	ہاں! سوچ سمجھ کے ڈالنا ہاتھ اِس پر

دولت کی تعریف

دولت خرمن بھی۔ برقِ خرمن بھی ہے	تلوار کی دھار بھی ہے جوشن بھی ہے
تھوڑا اتنا اسمیں شر۔ تو ہے خیر بہت	گر سانپ ہے یہ۔ تو سانپ کا من بھی ہے

حالتِ موجودہ پر قانع ہونا

حاصل ہے اگر خوشی - تو ہے غم کی تلاش   گر شہد میسّر ہے - تو ہے سم کی تلاش
قانع نہیں کوئی حالتِ نقد پہ یہاں   جنّت میں بھی شاید ہو جہنم کی تلاش

خوشی کی امید رکھنا ہی بڑی خوشی ہے

اولاد کا ہے ایک کے دل میں ارمان   اور دوسرے پر ہے بارِ اولاد گران
گر چاہے عالمِ تعلق میں خوشی   رکھے نہ یہاں خوشی کی امید انسان

سب صحبتیں برہم ہونیوالی ہیں

نقشے[1] ہیں خوشی کے سب بگڑنیوالے   پودے نہیں اسکے جڑ پکڑنیوالے
مل بیٹھنا ہے یہ ناؤ ندی سنجوگ   ہیں اب کوئی دم میں سب بچھڑنیوالے

جیسی رعیت ہوگی ویسی ہی اس پر حکومت کیجائیگی

حاکم سے بھلائی کی توقع ہے محال   جب تک کہ رعیت کے بھلے ہوں نہ خصال
تم اپنے سوا کسی کے محکوم نہیں   عُمّال ہیں بس یہی تمہارے اعمال[2]

---

[1] اس رباعی میں ایک خاص صحبت کا ذکر ہے جسمیں سب صحاب تھوڑی دیر بعد ایکدوسرے سے بچھڑنیوالے تھے

[2] اس رباعی میں حدیث ذیل کی طرف اشارہ ہے یعنی عُمّالکم اعمالکم ۱۲

دنیا کی موجودہ حالت

ہیں برق سے تیغ سے ملک پامال کہیں طاعون ہے نازل کہیں - بھونچال کہیں
ابتر ہے کچھ اِن دنوں نظامِ عالم عمال نہ ہوں خلق کے اعمال کہیں

افسونِ محبت

ہے جن کو کہ صیدِ دلِ انساں کا خیال لازم ہے کہ پھیلائیں محبت کا جال
استاد کو یاد ہو اگر حب کا عمل تعطیل نہیں کبھی نہ چھوڑیں مکتبِ اطفال

زخارفِ دنیوی کی بے ثباتی

گلشن میں نہیں ہے تری اے گل! جوڑی تو نے نہیں آنِ حسن کوئی چھوڑی
تھا جی میں کہ تجھ سے باندھیے عہدِ وصال پر کیجیے کیا! عمر ہے تیری تھوڑی

غیروں کو اپنا بنانا

گر چاہو کہ جیتے جی بھلے کہلاؤ اپنوں کو سلوکِ نیک سے پرچاؤ
پر مدِ نظر ہو گر حیاتِ ابدی بیگانوں کو آشنا بناؤ - جاؤ

کام کا وقت

یارو! نہیں وقت عیش و آرام کا یہ موقع ہے اخیر فکرِ انجام کا یہ
بس حبِ وطن کا جب چلے نام بہت اب کام کرو - کہ وقت ہے کام کا یہ

ذلت کی زندگی

نکبت میں ہے رنج و غم خوشی سے اولیٰ　　رونا یاروں کا ہے ہنسی سے اولیٰ
ہیں دیس میں بے وقار پردیس میں خوار　　مرنا ہے بس ایسی زندگی سے اولیٰ

قدرِ نعمت بعدِ زوال

دو چار اگر ہیں کام کرنے والے　　ہیں اُن کو ہزاروں نام دہرنے والے
تب قوم کی شاید کہ کھلیں گی آنکھیں　　مرجائیں گے جب قوم پہ مرنے والے

قومی خدمت کا صلہ

کہدو جنھیں اصلاح کا ہے قوم کی چاؤ　　طعنے جھیلو۔ بُرا سنو۔ گالیاں کھاؤ
یہ قوم کی خدمت کا صلہ ہے سردست　　گر اس پہ قناعت کا ارادہ ہو! تو آؤ

مصلحت کی بات ماننی لازم ہے

گر پیرِ مغاں کہے "مریز و مگذار"　　ہے مصلحت اسمیں کچھ نہ کچھ ای میخوار!
ہوتا نہ مساکین کا گر خیر اندیش　　خضر اُن کا نہ توڑتا سفینہ زنہار[1]

انصاف کی پکار[2]

پاؤگے نہ کوئی قاف سے لے تا قاف　　حق تلفیوں کے دلمیں نہ ہوں جسکے شگاف
گر غور سے سنیئے۔ غل ہے یہی چار طرف　　انصاف! انصاف!! آہ انصاف! انصاف

---

[1] حضرت خضر کے قصہ کیطرف اشارہ ہے دیکھو آیات قرآنی واما السفینۃ فکانت لمساکین ۱۲ [2] یہ باعی اور اسکے آگے ۹ اور رباعیاں علیگڈھ انسٹیٹیوٹ گزٹ مورخہ ۴ اگست ۱۹۰۷ء سے نقل کیگئی ہیں ۱۲

عاشق و معشوق دونوں پر حسن کا تسلط ہے

ہے حسن ہی کا کرشمہ چشم بددور ۔۔۔ عشاق کی بے خودی حسینوں کا غرور
یہ وہ مئے تند ہے نشے میں جس کے ۔۔۔ عاشق بھی ہے چور اور معشوق بھی چور

تشنگیٔ طلب

ساقی اِدھر سب کے کام آنے والے ۔۔۔ تم اپنے پرائے پر لنڈھانے والے
چھینٹا اِک اِدھر بھی بادۂ گلگوں کا ۔۔۔ او تشنہ لبوں کی دُون بجھانے والے

علم کی ترقی سے یقینیات بھی مشکوک ہو جاتے ہیں

بڑھتا جاتا ہے جس قدر علم بشر ۔۔۔ کرتے جاتے ہیں شک خیالات میں گھر
پھیلتی جاتی ہے دھندلی اتنی ہی فضا ۔۔۔ جتنی کہ وسیع ہوتی جاتی ہے نظر

دُنیا سراسر شر ہے

دُنیا ہے وہ شر جس میں نہیں نام کو خیر ۔۔۔ رشتہ ہے بدی سے اُسکا نیکی سے ہے بیر
اور سب سے بڑا یہ عیب ہے اسمیں کہ آہ ۔۔۔ بنتی نہیں یہاں کسی طرح اُس کے بغیر

میر انیس لکھنوی

([illegible])

اردو اگر آج چار سُو پھیلا ہے ۔۔۔ شہروں میں رواج گو بہت اس کا ہے
پر جب تک انیس کا سخن ہے باقی ۔۔۔ ٹکسال کی ہے لکھنؤ تیرا سکہ

میر انیس لکھنوی

(غیر مطبوعہ)

دلّی کی زبان کا سہارا تھا انیس ۔۔ اور لکھنؤ کی آنکھ کا تارا تھا انیس

دلّی جڑ تھی تو لکھنؤ اس کی بہار ۔۔ دونوں کو ہے دعویٰ کہ ہمارا تھا انیس

ہنگامۂ مسجدِ کان پور

(منقول از روزنامہ "ہمدرد" جلد ا نمبر ۱۰۶ مورخہ ۱ اکتوبر ۱۹۱۳ء)

یارانِ وطن نے قوم کا ساتھ دیا ۔۔ دی قوم نے دادِ قوم بے رد کر دیا

ہر سو بھڑک اٹھی آگ ہمدردی کی ۔۔ ہنگامۂ کان پور نے کام کیا

ایضاً

صد شکر وطن سے کوچ نفرت نے کیا ۔۔ گھر اہلِ وطن کے دل میں الفت نے کیا

تقریروں سے ہو سکا نہ تحریروں سے ۔۔ جو کارِ نمایاں کہ مصیبت نے کیا

ایضاً

تائید میں حق کے جو بلا آتی ہے ۔۔ ساتھ اپنے بہت سی برکتیں لاتی ہے

بچھڑے ہوئے دوستوں کو ملواتی ہے ۔۔ روٹھے ہوئے بھائیوں کو منواتی ہے

روزانہ ہمدرد کا اجرا

(از ہمدرد ۱۳ اپریل ۱۹۱۳ عیسوی)

ہمتوں کی ہوس نہ یاں خطابوں کی طلب ۔۔ اک ملک کی خدمت کا ہو سودا یارب

"ہمدرد" کو اسم بامسمیٰ کیجیے ۔۔ اس نام کی لاج تیرے ہی ہاتھ ہے اب

حصۂ سوم تمام شد

باہتمام منشی عبدالعزیز خاں پرنٹر

عزیزی پریس آگرہ میں چھاپا گیا